نومبر 1997ء رجب المرجب 1418ھ

اللہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

اصلاح انسانیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

اصلاح انسانیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

نومبر 1997ء رجب المرجب 1418ھ

نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

قیمت فی شمارہ ———— -/10 روپے
سالانہ فنڈ ———— -/100 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ: Ph: 268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ: Ph: 260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے اصلاح برقی پریس لوہا بازار سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

باب	عنوان	مصنف	صفحہ
اس شمارے میں			

اداریہ

اس وقت انسان کے لئے جو سب سے بڑا چیلنج ہے وہ خود انسانی قوتوں کے درست استعمال کو عمل میں لانا ہے جو اس وقت زیادہ تر شر کی مدد میں مصروف ہیں اس سلسلہ میں نہ تو سائنس اس کام کو بخوبی انجام دے سکتی ہے اور نہ ہی انسانی عقل عقدہ کشائی کر سکتی ہے سائنس یہ تو کر سکتی ہے کہ وہ ایٹم کو پھاڑ کر توانائی میں تبدیل کر دے یہی قوت غلط ہاتھوں میں آکر شر میں اضافہ کر سکتی ہے اور یہی قوت درست اور صالح ہاتھوں میں آکر خیر کی مدد کر سکتی ہے اس طرح عقل بھی خیر و شر میں مدد دے سکتی ہے اگر انسانی عقل اور سائنس خدا کے احکام کے تابع ہو جائے تو وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے خیر و برکت کا سبب ہے لہٰذا سائنس اور عقل صرف آلہ کار ہیں اور ان کی درستگی صرف اور صرف مذہب ہی کر سکتا ہے اور مذہب بھی وہ جو انسانی عقل کی آمیزش سے پاک ہو وہ صرف اسلام ہی ہے کیونکہ دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے (آل عمران 19)

خدائی احکام کے بغیر زندگی بے معنی بے رنگ اور انسانی دل ویران ہو جاتا ہے اگر دل ہی ویران اور بے چین ہو تو مادی ترقی کا کیا فائدہ؟ بقول شاعر

نہ کلی ہے وجہ نظر کشی نہ کنول کے پھول میں تازگی
فقط ایک دل کی شگفتگی سبب نشاط بہار ہے

دیکھا جائے تو پوری کائنات کا نظام ہر قسم کے نقص اور بگاڑ سے پاک ہے مظاہر فطرت اپنی متعین ڈیوٹیاں بھرپور انداز میں انجام دے رہے ہیں یہ خود انسان ہی ہے جس نے اس فطرت بھری دنیا میں نفس کی غلامی میں آکر دنیا کو غیر فطری طرز پر چلانے کی کوشش کی ہے لہٰذا جن قوموں نے غیر فطری معیار زندگی اختیار کیا تو قوانین الٰہی ایسی قوموں کو عبرتناک سزائیں دیتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن ہمیں بار بار ان قوموں کے حالات سے واقف کرتا ہے تاکہ ہم ان اقوام کی طرح تباہ و برباد نہ ہو جائیں اگر ہم نے بھی سرکش قوموں کی طرح اللہ کی ہدایت کا مذاق اڑایا (اللہ کی ہدایات پر عمل نہ کرنا بھی مذاق اڑانے کے مترادف ہے) تو انجام کیسے مختلف ہو سکتا ہے؟

"پس تم اللہ کے طریقے میں نہ تو کوئی تبدیل پاؤ گے اور نہ ہی اسے ٹلتے ہوئے دیکھو گے" (فاطر۔43)

درحقیقت انسان ہی اللہ کی وہ محبوب ترین مخلوق ہے جس کے لئے زمین اور آسمانوں کی تخلیق کی گئی ہے تاکہ وہ ان میں بکھری ہوئی لاتعداد خدائی نشانیوں کے ذریعے اللہ کی معرفت حاصل کر سکے۔ دنیا کی محبت میں غرق ہونے کے سبب انسان اپنے اصل ہدف اور ٹارگٹ سے ہٹ جاتا ہے ایسے میں اللہ رحیم و کریم اپنی مخلوق کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتے بلکہ اپنے منتخب اور مقرب انسانوں کو نبوت کے عہدے پر فائز فرما کر انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجتے ہیں تاکہ انسان اپنے اصل ہدف یعنی قرب باری تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جائے لہٰذا انبیائے کرام نے توفیق الٰہی سے اپنے اپنے علاقوں اور زمانوں میں انسانوں کے نفس کی اصلاح اور تزکیہ کر کے انہیں اللہ کی راہ پہ لگانے کی ہر ممکن کوششیں کی ہیں کیونکہ اللہ کے احکامات اپنی واضح اور مکمل حالت میں آنحضور ﷺ کے توسط سے ہم تک پہنچ چکے ہیں۔ لہٰذا ئی شریعت اور نبوت کی ضرورت بھی ختم ہو چکی ہے اب تزکیہ نفس کا کام وارثان نبی ﷺ یعنی اولیا اللہ کے ذمہ ہے یہ اللہ والے اللہ کی محبت سے شرابور اور اتباع نبوت ﷺ سے معمور ہو کر آدم گری کے مشن کو جاری رکھتے ہیں لہٰذا ایسے کمیاب بزرگوں کی تلاش میں سرگرداں رہنا چاہیے اور اگر میسر آجائیں تو ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانا چاہیے ایسے لوگوں کی صحبت میں لمحہ بھر بیٹھنا خشک علم کے حصول میں زندگی بھر گذار دینے سے لاکھ درجہ بہتر ہے کیونکہ علم خشک سے انسان اپنا سراغ نہیں پا سکتا بقول علامہ اقبال

علم میں دولت بھی ہے قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ

والسلام

عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

ڈاکٹر عبدالرشید وقار لاہور

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ البقرہ

ترجمہ :۔ اور جو ایمان لائے اس پر جو اتارا گیا آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ سے پہلے اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۔ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور فلاح پانے والے ہیں ۔

متقین کی صفات :۔ متقین کی پہلے بیان کردہ صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ کتاب (قرآن مجید) کے ساتھ ساتھ مختلف زمانوں میں مختلف ممالک میں قرآن سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتب پر ایمان رکھتے ہیں ان کو سچ اور منزل من اللہ ہونے کا یقین محکم ہے قرآنی ہدایت ان لوگوں کے لئے بالکل سود مند نہیں جو انسانی رشد و ہدایت کے لئے وحی کے قائل ہی نہیں ہیں ۔ یا قائل تو ہوں لیکن اس کی طرف کبھی رجوع کر کے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کریں یا وحی کی بعض آیات کو مانیں اور بعض کا انکار کر دیں وحی کی جگہ باپ دادا کے خود ساختہ نظریات اور ظاہری رسومات کو وحی کے بالمقابل کھڑا کر دیں ۔ اور ان نظریات کو وحی سے زیادہ معتبر ٹھہرائیں ۔

قرآن سے وہی خوش نصیب فیض یاب ہو سکتے ہیں جو خود کو خدائی ہدایت کا محتاج سمجھیں اور ان کا پختہ عقیدہ یہ ہو کہ آسمانی ہدایت ہی انسانی فلاح کا حقیقی راستہ ہے جس پر چل کر کامیابی و کامرانی حاصل ہو سکتی ہے نیز یہ کہ لوگ نسلی تفاخر اور علاقائی تعصب سے مبرا ہوں جو وحی کو کسی خاص علاقے یا جغرافیائی حدود تک پابند نہ سمجھتے ہوں ان کا یہ بھی ایمان ہو کہ وحی صرف اللہ کے منتخب بندوں پر ہی آتی ہے الگ الگ انسانوں پر نہیں آتی ۔

عہد رسالت ﷺ میں دو قسم کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے ایک تو وہ لوگ تھے جو مشرک تھے ۔ بتوں کو اپنا معبود اور حاجت روا مانتے تھے ۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو اہل کتاب تھے ۔ ان کو یہودی یا نصرانی کہا جاتا تھا ۔ دوسری قسم کے لوگ حدیث مبارکہ کی

رو سے دوہرے ثواب کے مستحق ٹھہرے پہلے کتابوں پر ایمان لائے اور عمل کرنے کا ثواب - قرآن پر ایمان لانے اور عمل کرنے کا ثواب 1- پہلی کتب سماویہ پر ایمان لانا آج بھی ہر مسلمان پر فرض ہے پہلی کتب کا انکار اور فقط قرآن پر ایمان لانے سے ایمان مکمل نہیں ہوتا پہلی کتابوں پر ایمان لانا صرف اتنا ہوگا کہ یہ کتابیں جس زمانہ میں نازل ہوئیں اس زمانہ میں وہی احکام واجب العمل تھے اور باعث نجات تھے لیکن نزول قرآن کے بعد وہ سارے احکام منسوخ ہوگئے اب صرف قرآن کریم ہی قابل عمل ذریعہ نجات ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے کی ایک بین دلیل ہے کہ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں - اور آپ ﷺ پر وحی کردہ کتاب ہی آخری اور قطعی ہدایت ہے اگر آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری رہنا ہوتا یا کوئی اور کتاب نازل ہونا باقی ہوتی تو اس کتاب پر بھی ایمان لانے کا تاکیدا" ذکر دیا جاتا بلکہ اس کا اہتمام اور بھی ضروری تھا تاکہ آئندہ نسلوں کو اشتباہ و تردد نہ ہو- قرآن مجید نے اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں اور جن انبیاء پر نازل ہوئیں ان کا ذکر بڑے تکرار کے ساتھ کیا ہے- مگر بعد میں آنے والی کسی کتاب یا نبی کا کہیں تذکرہ نہیں کیا- پورے قرآن میں محمد الرسول اللہ ﷺ کے بعد کسی نبی یا کتاب کا کوئی اشارہ تک نہیں ملتا نہ ہی کوئی بشارت دی گئی ہے تمام امت مسلمہ کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ محمد عربی ﷺ نبی آخرالزمان ہیں اور سلسلہ وحی منقطع ہو چکا ہے اب جو کوئی نبوت کا دعویدار ہوگا وہ کذاب کہلائے گا اگر نبوت کا سلسلہ جاری و ساری ہوتا- اور کسی آنے والے نبی پر ایمان لانا ایمان کا جزو ہوتا تو آیت کریمہ یوں ہوتی -

وماانزل من قبلک وماینزل من بعدک

اب ہم سلسلہ مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے لفظ "آخرت" کے بارے میں قرآنی مفہوم بیان کرتے ہیں - اگرچہ ایمان بالغیب عقیدہ آخرت کو بھی احاطہ کے ہوئے ہیں پھر بھی قرآن کریم نے اس کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے ایمان کے جتنے جزو اور شاخیں ہیں ان میں سب سے اہم جزو آخرت پر ایمان ہے بلکہ یوں سمجھیں کہ آخرت پر ایمان ہی تمام اعمال صالحہ کی بنیاد اور اساس ہے عہد رسالت کے وہ تمام مبارک لوگ جو ہمارے لئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے اعمال کی پشت پناہ یہی عقیدہ تھا- جس نے چند سالوں

میں معاشرہ کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ بقول شاعر

جو خود نہ تھے راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

اس عقیدہ نے نہ صرف ان کے عقائد بلند کئے بلکہ قیادت و سیادت میں ایک منفرد اور امتیازی مقام پر لا کر کھڑا کر دیا۔ آخرت پر ایمان تمام کتب آسمانی اور انبیاء کا مشترک عقیدہ ہے۔ جو مسلمان بھی ایمان رکھتا ہے وہ شاہراہ عمل پر قدم رکھنے سے پہلے ان نتائج پر خوب غور و خوص کر لیتا ہے جو عمل کے بعد مرتب ہوتے ہیں آج کے مسلمان میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آخرت پر ایمان کی گرفت مضبوط نہیں رہی قول و فعل میں ایک وسیع تضاد پایا جاتا ہے۔ رب العزت ہمیں اپنے حبیب کے صدقے ہمارے قول و فعل میں ہم آہنگی اور روز آخرت پر یقین محکم عطا فرمائے تاکہ امت مسلمہ قعر مذلت سے نکل کر مقام خلافت فی الارض پر دوبارہ فائز ہو سکے۔ جو انسان آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اس کے لئے یہ دنیا جنت ہے جو حلال و حرام اور حق و باطل کو ایک ہی درجہ دیتا ہے اسے دنیا کا کوئی قانون جرم و گناہ سے باز نہیں رکھ سکتا وہ عقیدہ آخرت کو اپنی عیش و عشرت کی زندگی میں ایک بہت بڑی رکاوٹ خیال کرتا ہے یہ عقیدہ آخرت ہی ہے جو انسان کو ظاہر و باطن، جلوت و خلوت، رات کی تاریکیوں اور مقفل دروازوں میں اور ایسی جگہوں پر جہاں حکومتی قوانین کی رسائی نہ ہو چھوٹے سے چھوٹے گناہ اور بڑے سے بڑے جرم کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے وہ یقین رکھتا ہے کہ میرا پروردگار مجھے دیکھ رہا ہے کوئی لکھنے والا میرے اعمال کو لکھ رہا ہے مجھ سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے جس کو کراما" کاتبین نوٹ کر لیں اور وہ عمل میرے لئے حشر میں ذلت و رسوائی کا باعث بن جائے۔

اس نکتہ کو سمجھ لینے کے بعد کہ ہر انسان اپنے عمل کے لئے جوابدہ ہے۔ فطرت انسانی نیکیوں کی طرف راغب ہوتی جاتی ہے اور سزا کے خوف سے برائی سے نفرت ہونے لگتی ہے جسم و روح خدائے وحدہ لاشریک کے سامنے کامل اطاعت کے ساتھ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں انسانی ترقی کی راہیں کھل جاتی ہیں انسان احساس ذمہ داری کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگتا ہے روحانی بالیدگی حاصل ہوتی ہے خدا اور بندوں سے اس کا حقیقی رشتہ جڑ جاتا ہے اور سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی موافقت اختیار کرتی چلی جاتی

ہے اسی مقام پر علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اور

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

آخرت پر ایمان کے بغیر کئے ہوئے اعمال خواہ وہ کتنے ہی خوبصورت کیوں نہ ہوں کتنے ہی خوش نما ہوں بعد الموت نافع نہیں ہو سکتے مسلمانوں کو چاہیے کہ آخرت پر ایمان کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل نکات کو پیش نظر رکھے۔

1 ۔ انسان کو اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں بھیجا گیا یہ دنیا دار العمل ہے اور یہاں پر کئے ہوئے ہر عمل کی اللہ کے سامنے باز پرس ہوگی

2 ۔ یہ دنیا فنا ہونے والی ہے خدا جب چاہے گا اس کا خاتمہ ہو جائے گا

3 ۔ فنا ہونے کے بعد تمام انسانوں کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک پیدا ہونگے دوبارہ زندہ کیا جائیگا اور ان کو جمع کر کے ان کا حساب لیا جائیگا۔

4 ۔ ہر نیکی کا بدلہ ملے گا اور ہر برائی کی سزا جھیلنا پڑے گی۔

5 ۔ نیکوکار جنت میں اور بدکار دوزخ میں جائیں گے

6 ۔ دنیا کی کامیابی اور ناکامی حقیقی نہیں ہے کامیاب وہ ہو گا جو آخری فیصلہ میں کامیاب ٹھہرے گا حشر کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہو گا۔

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ بالآخرۃ کے ساتھ لفظ یومنون کی بجائے یوقنون آیا ہے یومنون کا مطلب ہے ایمان لانا اور یوقنون کا مطلب ہے ایسے ایمان لانا جیسے کسی چیز کو آنکھوں سے دیکھا ہو۔ آگے فرمایا یہی لوگ ہیں۔ جو اپنے رب کی عطا کردہ توفیق سے ہدایت پر ہیں اور فلاح پانے والے ہیں۔ فلاح ایک جامع لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایسی کامیابی جس کے اندر دنیا اور عقبیٰ کی تمام بھلائیاں اور خیرات و برکات کو شامل کر دیا گیا ہو۔

صدائے فقیر

مقصود حیات

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی نو کھر

بنی نوع انسان کے لئے یہ اہم ترین اور بنیادی نوعیت کا سوال ہے کہ آخر کار انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ کیا انسان کی زندگی رحم مادر سے شروع ہو کر موت پر ختم ہو جاتی ہے؟ کیا انسان بھی کرہ ارض پر بسنے والے دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہی ہے یا ان سے علیحدہ اور منفرد حیثیت کی حامل کوئی خاص ہستی ہے؟ کیا حیات ارضی کا مقصود یہی ہے کہ انسان بھی حیوانی جبلتوں اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے کچھ عرصہ کے لئے اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے اور مرجائے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنا انسانی عقل کے بس کا روگ نہیں ہے انسان تو اس زمین پر لاکھوں برس گذارنے کے باوجود مادی اشیاء کی حقیقت کو ہی سمجھ نہیں پایا تو وہ دیگر کائنات اور روح و نفس کی لطافتوں کو کیونکر جان سکتا ہے انسانیت کے لئے نجات کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ عقل فرومایہ کی امامت کا دامن چھوڑ کر خالق کائنات کے حضور سر بسجود ہو کر راہنمائی طلب کر لے تاکہ حیات و ممات کی حقیقت اور اپنی تخلیق کے مقصد سے آگاہ ہو کر اپنی جدو جہد کا قبلہ درست کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت کی بدولت انسانوں کو مقصود حیات سے آگاہ کرنے اور اس کے حصول کے طریقے سکھانے کے لئے اپنے رسول بھیجنے کا سلسلہ قائم فرمادیا تاکہ بنی نوع انسان اندھیروں میں بھٹکتی نہ پھرے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضور رحمتہ اللعلمین ﷺ کی حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا اس حدیث مبارکہ سے یہ انکشاف ہوا کہ مخلوق کو وجود میں لانے کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کی معرفت یعنی پہچان حاصل کر کے اس کی حمد و ثناء اور تسبیح و تہلیل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ملائکہ، جمادات، نباتات، حیوانات اور جنات کو پیدا فرمایا قرآن مجید کے مطابق کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو پہچانتی اس کی تسبیح بیان کرتی اور اس کی اطاعت کرتی ہے یہاں تک کہ جمادات جنہیں انسان بے جان

اور بے شعور گردانتا ہے وہ بھی اپنے خالق کی پہچان اور اپنے مناسب حال اس کی تسبیح کرنے کا شعور رکھتے ہیں اور اس کی طرف سے مقرر کردہ وظیفہ حیات کو بغیر کسی خطا و نسیان کے پوری طرح ادا کرتے ہیں ایٹم کے اندر چھپے ہوئے الیکٹرون اور ان سے بھی چھوٹے ذرات جن سے الیکٹرون بنتے ہیں اللہ کے قانون کے اس قدر پابند ہیں کہ اپنے فرائض سے سر مو انحراف نہیں کرتے جمادات کے شعور سے نبادات کا شعور کسی قدر اونچا ہے اور حیوانات کا شعور ان دونوں سے بلند تر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب میں پودوں اور درختوں کے سجدہ کرنے اور پرندوں کی صلوٰۃ و تسبیح کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے گویا پوری کائنات اپنے خالق کو پہچانتی اس کی تسبیح کرتی اسے سجدہ کرتی اور اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ بلند ترین شعور کا حامل ہونے کے باوجود جو انسان اپنے خالق کو پہچاننے میں ناکام رہے قرآن اسے حیوانوں سے بھی بدتر مخلوق قرار دیتا ہے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے زمین و آسمان، عالم جمادات، نباتات، حیوانات اور جنات کو پیدا کرنے کے بعد ارادہ فرمایا کہ اب اس مخلوق کو وجود میں لایا جائے جس کی خاطر یہ سب کچھ بنایا گیا ہے سب سے بعد پیدا کی جانے والی اس خاص مخلوق کو برتر شعور، محبت کے نور اور احسن تقویم سے مشرف کر کے اسے صاحب علم، صاحب ارادہ اور صاحب اختیار بنایا جائے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر میری معرفت کے میدان میں دوسری مخلوقات سے آگے نکل جائے اور میری رضا اور لقاء حاصل کرنے کے قابل بن سکے چنانچہ حضرت انسان کو پیدا فرمایا گیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو تسخیر کائنات، تعمیر خودی اور اپنی محبت کا خصوصی ذوق عطا فرما کر کرہ ارض کی خلافت سے نوازا تاکہ وہ زمین کے ذرے ذرے میں اور خود اس کے اپنے نفس میں پوشیدہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی معرفت کا سفر طے کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت میں آگے بڑھتا چلا جائے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں حریم ذات تک جا پہنچے۔ پیام مشرق میں شاعر علامہ اقبالؒ نے انسان کی پیدائش کے اہم واقعے کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:۔

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور
خود گرے ، خود شکنے ، خود نگرے پیدا شد
خبرے رفت زگردوں بہ شبستان ازل
حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد
آرزو بیخبر از خویش باآغوش حیات
چشم وا کردو جہان دگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تاازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد

"عشق نے نعرہ لگایا کہ خونیں جگر پیدا ہوا حسن شوق سے لرز اٹھا کہ صاحب نظر پیدا ہوا فطرت تڑپ اٹھی کہ اس جہان مجبور کی خاک سے خود کو بنانے والا، خود کو بگاڑنے والا اور خود اپنے اندر محو رہنے والا پیدا ہوا آسمانوں نے شبستان ازل تک یہ خبر پھیل گئی کہ پردوں میں چھپ کر رہنے والو ہوشیار ہو جاؤ کہ پردہ در پردہ پیدا ہوا آرزو جو کہ اپنے آپ سے بے خبر زندگی کی گود میں سو رہی تھی اس نے آنکھ کھولی اور ایک نیا جہان پیدا ہوا زندگی نے کہا کہ میں ایک طویل عرصہ خاک کی آغوش میں تڑپی ہوں تب کہیں جا کر اس پرانے گنبد یعنی آسمان میں در پیدا ہوا ہے۔"

حیات ارضی کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو جو ہر انسان کو عطا کر رکھا ہے وہ اسے بروئے کار لا کر کمال تک پہنچ جائے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسان کو اس کی تخلیق کے مقصد سے آگاہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری بندگی کریں"

انسانوں اور جنوں کے علاوہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی جبری اطاعت کے قانون میں جکڑ دی گئی ہے اس آیت مبارکہ کے الفاظ سے بھی انسان کے اختیار کا اظہار ہو رہا ہے کہ وہ خود اپنے ارادے سے میری بندگی میں داخل ہو جائے یعنی اپنے فہم و فراست اور بصیرت و بصارت کے ذریعے مجھے اپنے خالق و مالک اور الہ و رب تسلیم کر کے میرے سامنے سر تسلیم خم کر دے پھر وہ میرے سوا کسی دوسرے کی اطاعت و محبت کا دم نہ بھرے انسان کا

یہی فیصلہ اسے اسلام میں داخل کر دیتا ہے حقیقی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ مومن اپنا جان و مال اللہ کے سپرد کر کے اس کا مطیع اور غلام بن جائے اس کے سوا کسی دوسرے کا بندہ نہ بنے نہ اپنے نفس کا، نہ ہوا و ہوس کا، نہ مال و منال کا، نہ دولت و ثروت کا، نہ شان و شوکت کا تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو سکے یہی وہ پیغام تھا جو گذشتہ تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کو دیتے رہے قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کو یہی دعوت دی:۔

یقوم اعبدالله مالکم من اله غیره افلا تتقون ○

"اے میری قوم اللہ کی غلامی اختیار کرو کہ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود و محبوب نہیں ہے کیا تم دنیا میں الجھنے سے بچو گے نہیں"

انسان کی حقیقی سعادت اور فلاح اس میں ہے کہ دنیا کی محبت کے فریب میں نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق اللہ کے احکام کی رضا کارانہ تعمیل میں لگ جائے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول اور حبیب ﷺ کی زندگی کو مومنین کے لئے عبدیت کا بہترین عملی نمونہ قرار دے دیا اور حضور ﷺ کو فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ اے بنی نوع انسان اگر تم اللہ کی محبت کے طالبگار ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطائیں معاف فرما دیگا۔ اس طرح گویا تم اپنے مقصود حیات کو پالو گے۔

دنیوی زندگی کی مثال ایک سیپ کی طرح ہے جو ابر نیساں سے برسنے والے قطرہ آب کو اپنے اندر قید کر دیتا ہے اور کچھ عرصہ گذرنے کے بعد وہ پانی کا قطرہ نہایت قیمتی اور آبدار موتی میں تبدیل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس خاص قطرہ آب کو موتی بننے اور صدف کو موتی بنانے کی صلاحیت دے رکھی ہے ان دونوں کے ملاپ سے اگر مقصود حاصل ہو گیا تو گویا زندگی کامیاب ہو گئی۔ بقول علامہ اقبال"

زندگانی ہے صدف اور قطرہ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

یعنی انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی امانت سپرد کی اگر وہ حیات ارضی کے

دوران جو ہر محبت کو کمال تک پہنچانے کی بجائے دنیا کی اس وسیع تربیت گاہ کے متاع غرور پر فدا ہو کر اس دولت کو یہاں ہی لٹا بیٹھا تو اس نے گویا اپنی زندگی ضائع کر دی اور اپنے نفس پر بہت بڑا ظلم کیا محبت کی امانت کا اٹھانا اور اسے کما حقہ نباہنا بہت بھاری ذمہ داری تھی اس لئے آسمان ' زمین اور پہاڑ اسے اٹھانے سے ڈر گئے تھے یہ امانت اللہ کی ہے اسے کسی غیر اللہ کے سپرد کر دینا گویا اسے اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے یہ سراسر خیانت ہے اور ظلم عظیم ہے اور اسی لئے ناقابل معافی گناہ ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی خصوصی حیثیت اور برتر مقام سے آگاہ کرتے ہوئے اعلان فرمادیا کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے اور تمھیں صرف اپنی محبت و اطاعت یعنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ انسان اپنے سے کم تر ' گھٹیا اور فناہ ہونے والی دنیا کی محبت میں گرفتار نہ ہو اور رب کائنات اور الہ ارض و سماوات ہی کو اپنا مطلوب و مقصود اور محبوب و معبود تسلیم کر کے ہر چیز سے اپنا منہ موڑ کر کامل یکسوئی کے ساتھ اپنا رخ اللہ کی طرف کر لے وہ کرہ ارض کے ساز و سامان کو ایمان و عمل کے ذریعے جو ہر خودی کی تربیت کے لئے استعمال کرے تاکہ اپنی خلقی استعداد کے مطابق اللہ کے قرب کی منزلیں طے کرتا ہوا اپنے مقام محمود تک پہنچ جائے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:۔

ہر ایک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخی فکر و کردار کا
یہ ہے مقصد گردش روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
نہ تو زمیں کے لئے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم یعنی عمدہ صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا اور پھر اسے اسفل السافلین کی پستی میں ڈال دیا تاکہ اسے آزمایا جائے کہ وہ دنیا کی دلفریبیوں اور مادی لذات میں کھو کر اللہ کو بھول جاتا ہے یا ایمان اور صالح اعمال کی راہ اختیار کر کے قرب الٰہی کا مقام حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے موت و حیات ہمیں آزمانے کے لئے پیدا فرمائے۔

انسان کو اللہ کی محبت کا جو ملکہ عطا کیا گیا ہے اس کی مثال کچے تانبے کی مانند ہے جس میں سونا بننے کی صلاحیت موجود ہے اور زمینی زندگی کے دوران اگر کسی کامل کیمیا گر کی رہنمائی میسر آ جائے تو مسلسل محنت اور کڑے مجاہدے سے اسے زر خالص میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اس راہ میں یقینی کامیابی کے لئے کاملین نے یہی طریقہ بتایا ہے کہ پہلے اس تانبے کو اللہ کی اطاعت کی بھٹی میں پگھلا کر قطع ماسوا اللہ کی چھلنی سے اس کا تمام میل کچیل صاف کیا جائے پھر اس میں توکل علی اللہ کی اکسیر شامل کر کے محبوب خدا ﷺ کے اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھالا جائے تو اللہ تعالی کی نظروں میں مقبول و محبوب ٹھہرایا جائے گا قرآن کریم میں انتباہ کیا گیا ہے کہ جو اس دنیا میں اندھا ہو گا وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا یعنی انسان کی ساری سعادت اس میں ہے کہ وہ دنیا ہی میں اپنے محبوب حقیقی کے لازوال حسن کی معرفت اور پہچان حاصل کر لے ورنہ آخرت میں بھی وہ اس نعمت سے محروم رہے گا حصول معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ کسی مرد کامل کی رہنمائی میں کثرت ذکر کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور کاریگری کا مشاہدہ کرنے اور اس کی آیات میں تفکر و تدبر کرنے کے طریقے سیکھے جائیں تاکہ معرفت کی دولت ہاتھ آ سکے خزانہ معرفت تک رسائی انسان کے ظاہری اور باطنی حواس کے ذریعے ہوتی ہے اور یہ حواس مادی جسم اور مادی زندگی کے بغیر نہیں مل سکتے تھے اس لئے روح کے لئے ضروری تھا کہ اسے کچھ مدت کے لیے عالم خاکی میں بھیجا جائے مادی زندگی کی اہمیت جاننے کے لیے درخت کے بیج پر غور فرمائیے مثال کے طور پر آم کی گٹھلی پر تفکر کیجئے اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایک مکمل درخت بننے کی صلاحیت ودیعت فرما دی ہے اس کے اندر آم کے درخت کے پتوں کی شکل، ٹہنیوں کی صورت، پھولوں کی خوشبو، پھل کا رنگ و ذائقہ، درخت کی موٹائی اونچائی اور پھیلاؤ الغرض اس کے ہر پہلو کی نہایت ہی لطیف لیکن مکمل خلاصہ اور نقشہ سمویا ہوا ہوتا ہے اس گٹھلی کے اندر سوئی ہوئی زندگی اور پوشیدہ صلاحیتوں کے اظہار کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اسے خاص موسم میں مٹی میں دبا کر اس کی آبیاری کی جائے تاکہ اس کے اندر چھپا ہوا جوہر بیدار ہو کر پرورش پائے اور بتدریج بڑھتا ہوا ایک مکمل آم کے درخت کی صورت اختیار کر کے بار آور ہو جائے اسی طرح انسانی روح کے اندر جو صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے چھپا رکھی ہیں ان کا اظہار بھی عالم خاک میں آئے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتا تھا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:۔

وفی الارض ایت للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون O (ذاریات - 21 - 22)

"اہل یقین کے لئے زمین میں میری نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں کے اندر بھی کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔"

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ انسان کو تدبر و تفکر اور مشاہدہ و مراقبہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی آیات کو پہچان کر اس کی ذات تک پہنچنے کے دو میدان عطا ہوئے ہیں ایک عالم آفاق یعنی باہر کی دنیا ہے اور دوسرا عالم النفس یعنی من کی دنیا ہے معرفت باری تعالیٰ کے حصول کے لئے جہاں مادی قوتوں کو تسخیر کر کے انہیں انسانیت کی فلاح و بہبود اور خدمت و سہولت کے لئے استعمال کرنا ضروری ہے وہاں روح ' نفس ' ارادہ ' عقل ' خیال اور تصور کی باطنی قوتوں کی حقیقت معلوم کر کے

"من عرف نفسہ فقد عرف ربہ"

کا سفر بھی طے کرنا لازمی ہے انسان کی حقیقی کامیابی اسی طرح زندگی بسر کرنے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتیں پوری طرح پروان چڑھ سکیں اور اسے محبوب حقیقی کا قرب اور دیدار حاصل ہو جائے اس کامیابی کی ضمانت کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان اپنے خالق کی عطا کردہ صلاحیتیں پوری طرح پروان چڑھ سکیں اور اسے محبوب حقیقی کا قرب اور دیدار حاصل ہو جائے اس کامیابی کی ضمانت کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان اپنے خالق کے عطا کردہ آئین کے تحت زندگی بسر کرے اللہ کے دین کا راہنما اصول

"لا الہ الا اللہ" یہی سکھاتا ہے کہ انسان کا مقصود و مطلوب اور معبود و محبوب اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے پھر شریعت کے احکام اس کی تربیت اس انداز سے کرتے ہیں کہ وہ ہر آن اللہ کی محبت میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور دنیا کی تمام نعمتوں سے استفادہ کرتے ہوئے بھی اس کا دل دنیا و مافیہا کے ہر بندھن سے آزاد اور بے نیاز ہو جاتا ہے۔

کمال زندگی دیدار ذات است
طریقش رستن از بند جہات است

ملفوظات بانی سلسلہ

مسلمانوں کی ترقی کے اسباب

مرتب ایم محمد طالب گوجرانوالہ

پچھلے شمارہ میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت بندی کے ذریعے سے قومی ترقی کے لئے جو پانچ اصول قرآن میں مقرر کئے ہیں وہ یہ ہیں

۱ ۔ ایمان ۔ یعنی یقین محکم

۲ ۔ اتحاد ۔ باہمی محبت اور اخوت

۳ ۔ رابطہ ۔ تنظیم

۴ ۔ اطاعت ۔ ڈسپلن

۵ ۔ عمل ۔ یعنی کام کرنے کی بے پناہ قوت اور اس کا استعمال

اب اس شمارہ میں ان پانچ اصولوں کو وضاحت سے بیان کیا جائے گا اور یہ پانچ باتیں ایسی ہیں کہ جب تک منتشر افراد کے کسی گروہ میں اکٹھی نہ ہو جائیں وہ جماعت کی شکل میں منظم نہیں ہو سکتا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس قدر کسی جماعت کے افراد ان اصولوں پر سختی سے عمل کرتے ہیں اتنی ہی وہ جماعت مضبوط اور طاقتور ہوتی ہے ۔

ایمان :۔ ہر جماعت کی بنیاد چند ایسے عقلی ' ذہنی ' وجدانی یا روحانی نظریات یا معتقدات پر قائم ہوتی ہے جن پر اس جماعت کے ہر فرد کو بدرجہ مسلمات یقین و وثوق ہوتا ہے یہ یقین و وثوق جس قدر پختہ اور کامل ہو گا اسی قدر یہ جماعت زیادہ مضبوط اور طاقتور ہو گی یعنی باقی چار اصولوں پر زیادہ سختی اور پابندی سے عمل کرے گی صحابہ کبار کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ اس کائنات کا خالق و مالک صرف اللہ ہے محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جن کو اللہ نے ہدایت اور رہنمائی کے لئے پیدا کیا یہ ہدایات وحی کے ذریعے نازل ہوتی ہیں جن کے مجموعے کا نام قرآن ہے اس عقیدے کے بظاہر تین حصے ہیں اللہ ' رسول ' قرآن لیکن اصل اس کی صرف اللہ ہے کیونکہ اسی نے محمد ﷺ کو پیدا کیا اور اسی

نے قرآن نازل فرمایا اس لئے اس عقیدے کی اساس اللہ اور صرف اللہ ہے جو ذات و صفات میں ہر لحاظ سے یکتا اور اپنی مخلوق پر ہر طرح قادر ہے اسی وجہ سے اس عقیدے کو عقیدہ توحید کہتے ہیں۔

توحید :۔ تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے عقیدہ توحید اختیار کیا وہ اسقدر ترقی کر گئی کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے حقیقت یہ ہے کہ جن کو اللہ پر واقعی یقین کامل ہوتا ہے وہ یقیناً" اس کی محبت اور شفقت کو دل سے محسوس کرتے اور اس کی امداد و نصرت کو آنکھوں سے نازل ہوتا ہوا دیکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کیسی ہی مصیبتیں پڑیں ان کے پائے استقلال کو لغزش نہیں ہوتی وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ مصائب ان کو تکلیف دینے کے لئے نہیں بلکہ ان کے کردار کو پختہ اور کامل بنا کر اپنی نعمتوں کا اتمام کرنے کے لئے نازل فرماتا ہے اس ایمان کی وجہ سے ان کے دلوں میں اطمینان و مسرت کے وہ سمندر ٹھاٹھیں مارتے ہیں جن کے سامنے دنیا کے مصائب و آلام پر کاہ جتنی بھی وقعت نہیں رکھتے یہ سب کچھ توحید پر مبنی کردار کے لئے ہی ممکن ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

حقیقت میں مومن عام حالات میں وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور ریشم سے زیادہ نرم ہوتا ہے لیکن حق و باطل کے معرکہ میں وہ زہر سے زیادہ کڑوا اور فولاد سے زیادہ سخت ثابت ہوتا ہے وہ موت پر ہنستا ہے اور شہادت کی آرزو میں مرتا ہے یہ یقین محکم اور ایمان کامل جو قرون اولی کے مسلمانوں کی ترقی کا باعث ہوا آج بھی اگر دس پندرہ مسلمانوں میں پیدا ہو جائے تو پھر اسی ترقی کا باعث ہو گا ورنہ یہ تعلیم ایک بے جان جسم کی مانند ہو گی۔

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جان پیدا کر لے

اتحاد :۔ جماعتی قوتوں کے لئے اتحاد بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ایمان۔

تاریخ گواہ ہے کہ کوئی جماعت یا قوم اس وقت تک تباہ نہ ہو سکی جب تک اس میں اتحاد باقی رہا قوموں کی بقاء اور فنا کا یہ قانون اٹل ہے جماعت یا قوم کے افراد میں اسقدر محبت و اخوت اور قلبی تعلق موجود ہو کہ اگر ایک فرد کو دنیا میں کسی جگہ کوئی تکلیف پہنچے تو جماعت کے تمام افراد اس تکلیف کو اپنی جگہ پر ویسا ہی محسوس کریں حدیث مبارکہ ہے کہ تمام مسلمان ایک آدمی کی مانند ہیں کہ اگر اس کی آنکھ اور سر میں تکلیف ہو تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے قرآن میں اتحاد اور اخوت و محبت کے لئے بھی ایسے ہی احکام موجود ہیں جیسے کہ نماز روزے اور دوسری عبادات کے لئے لیکن افسوس کہ ہم نے صرف عبادات کو ہی کافی سمجھ لیا ہے اور دیگر احکامات کو بالکل ہی پس پشت ڈال دیا ہے افسوس کہ پڑھے لکھے اور قرآن کو خوب اچھی طرح سمجھنے والے بزرگ اتحاد و اخوت کی جڑوں پر کلہاڑے چلاتے تفرقہ ڈلواتے اور فرقہ بندی کی آگ کو ہوا دیتے رہتے ہیں۔

رابطہ :۔ اجتماعی طاقت اور جماعت کی شیرازہ بندی کے لئے تنظیم اور رابطہ نہایت ضروری ہے قرآن میں ہے اے ایمان والو صبر کرو ایک دوسرے کو صبر دلاؤ اور باہم ملے رہو اللہ سے ڈرتے رہو شاید تم اپنی راہ کو پہنچو رابطے سے مراد ہے کہ جماعت کے تمام ٹکڑوں اور حصوں میں باہمی تعلق اور تعاون بدرجہ اتم موجود ہو تنظیم کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ کسی جماعت یا قوم میں جتنے چھوٹے طبقے ہوں ان سب کا ایک مرکز ہو اور اس کا ایک نگران اور محافظ ہو یہ تمام طبقات کی ضروریات کا کفیل ہو یہ مرکز جسقدر ہردلعزیز اور مقبول ہو گا اسی قدر یہ قوم یا جماعت طاقتور اور خوشحال ہو گی اس اہمیت کے پیش نظر نماز اور حج کی ترکیب ایسی رکھی گئی ہے کہ اگر پوری طرح عمل کیا جائے تو تنظیم کا ڈھانچہ خود بخود تیار ہو جاتا ہے مسلمان ممالک آپس میں اخوت و محبت کے رشتہ کو جوڑ کر ہی ذلیل و خوار ہو رہے ہیں ملت اسلامیہ کی تنظیم صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہر ایک اسلامی ملک اپنے مرکز سے وابستہ ہو جو مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ ہو اسی مرکز کا امیر تمام اسلامی ممالک کی رائے سے چنا جائے پھر تمام تنازعات اس مرکز میں طے کئے جائیں اور ہر ملک کا

دفاع بھی اسی مرکز کے ذمہ ہو خدا کرے اس خواب کی تعبیر جلد پوری ہو۔

اطاعت :۔ اطاعت کے معنی ہیں فرمانبرداری کے اور حکم ماننے کے ایک بچے اور ایک فرد کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اپنے ماں باپ یا استاد کا حکم نہ مانے اس طرح ایک جماعت یا قوم کی تنظیم نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنے سربراہ کا حکم نہ مانے قرآن میں واضح حکم ہے کہ اطاعت کرو اللہ کی رسول کی اور اپنی ان آمرین کی جو تم پر مامور ہیں بلکہ یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک فرمانبرداری ہی دین ہے یہ اطاعت اور فرمانبرداری یا ڈسپلن کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ قوم کی شیرازہ بندی اور اس میں وحدت فکر و عمل پیدا کرنے کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ ایک فرد کی زندگی اور صحت کو برقرار رکھنے کے لئے قلب کی باقاعدہ حرارت اطاعت کی اعلیٰ درجے کی مثال تربیت یافتہ فوجوں میں جا کر دیکھیں سب فوجی ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ان کی تربیت ٹریننگ کے دوران اس طریق سی کی جاتی ہے کہ جب ان کو ایڈوانس کا حکم ملتا ہے تو سامنے خواہ گولیوں کا مینہ ہی کیوں نہ برس رہا ہو یہ حکم کے تابعدار بندے بغیر سوچے سمجھے اور غور کئے اس آگ کے دریا میں کود پڑتے ہیں مسلمانوں کو بھی قرآن میں اسی قسم کا حکم دیا گیا ہے کیا ہمارے لئے اس میں عبرت کا کوئی سبق نہیں ہے کہ یہ فوجی سپاہی اور افسر جن کو ماہوار چند سو روپے تنخواہ دی جاتی ہے وہ کس بے جگری سے اپنی جان قربان کر دیتے ہیں اور اپنے افسر کی حکم عدولی نہیں کرتے اور ہم جن کو اللہ نے جان، عقل، بیوی بچے، علم و دانش، صحت اور تمام عمر کا رزق عطا فرمایا ہے اس کے حکم کی اتنی بھی پرواہ نہیں کرتے جتنی کہ ایک فوجی اپنے بالادست افسر کے حکم کی کرتا ہے۔

کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تیری اگر
ہر رہگذر پہ نقش کف پائے یار دیکھ

عمل :۔ جس چیز سے جماعت کے وجود کا ثبوت ملتا اور افراد کو اجتماعیت کے فوائد واقعی حاصل ہوتے ہیں عمل ہے جماعت کے لئے عمل بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ

جسم کے لئے حرکت، قرآن میں سستی، کاہلی اور بے عملی کی سخت مذمت کی گئی ہے عمل کی قوت کو کام میں لانے کے لئے کسی مقصد کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیڑے مکوڑے، پرند اور تمام جانور خوراک حاصل کرنے اور گرمی سردی سے بچنے کے لئے مصروف عمل رہتے ہیں اسی طرح انسان بھی اپنی فطری خواہشات کی تکمیل کے لئے مصروف عمل رہتا ہے۔ انسانوں کی جو جماعت اپنی حالت پر قانع ہو کر عمل سے دستکش ہو جاتی ہے وہ پسماندہ کہلاتی ہے کھانے پینے، کپڑے لتے، مکانات تعمیر کرنے کے علاوہ انسان میں ایک اور بھی فطری خواہش ہے یعنی وہ اپنی اصل کو معلوم کرنا چاہتا ہے یہ مادہ اور روح کیا چیز ہے موت کیا ہے مرنے کے بعد کہاں جانا ہے۔ اس نظام کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ ہر فطری خواہش کو پورا کرنے کا انسان کا حق ہے قرآن میں مسلمانوں کو عمل کے لئے ہر حکم کے احکام موجود ہیں ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو ارشاد ہوتا ہے کہ اپنا دنیا کا حصہ حاصل کیے بغیر دم نہ لو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم سے یوں مانگا کرو "اے ہمارے رب ہم کو دنیا اور آخرت کی یعنی دونوں کی نعمتیں عطا فرما" قرآن میں سینکڑوں جگہ ارشاد ہے کہ ہماری نشانیوں میں غور و فکر کیا کرو چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے دنیا میں سفر کرو اور معلوم کرو کہ آفرینش کی ابتدا کیونکر ہوئی اسی ایک سوال کا جواب معلوم کرنے کی کوششوں سے بیسیوں علوم وجود میں آگئے علم نباتات علم حیوانات علم الحیات، تاریخ، جغرافیہ، علم طب، فزکس، کیمسٹری وغیرہ وغیرہ اور یہی وہ علوم ہیں جن کی بدولت قومیں جو عمل کرتی ہیں مالا مال ہو جاتی ہیں سارا قرآن عمل کرو عمل کرو کے الفاظ سے بھرا پڑا ہے یہ سارے قرآنی احکام اگر قوت عمل کو بیدار کرنے کے لئے نہیں تو پھر کس لئے ہیں مگر افسوس کہ جس قدر عمل کرنے پر زور دیا گیا ہے ہم اسی قدر نکمے سست بیکار اور بے عمل ہیں علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں عمل کرنے کی قوت کو متحرک کرنے کے لئے بہت کچھ فرمایا ہے۔

جستجو قوم کو ہے ایسے مسلمانوں کی
جن کو ملتا ہو سکوں گود میں طوفانوں کی

اسوہ حسنہ

سیرت رسول ﷺ

اعجاز احمد مغل گکھڑ

اللہ کے رسول ﷺ دونوں جہانوں کے سردار، نور مجسم، رحمت عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کی پاکیزہ زندگی ہمارے لئے بہترین نمونہ اور اعلیٰ معیار ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی بھی اچھی گزرے اور ہم میں پاکیزہ عادتیں پیدا ہوں ہمیں دین و دنیا کی بھلائی نصیب ہو تو ہمیں حضور ﷺ کی سیرت پر عمل کرنا ہو گا

آپ ﷺ نے اللہ کے احکام پر کیسے عمل فرمایا عبادت کیسے کی دوستوں کے ساتھ کیسے پیش آئے، سچائی، عدل و انصاف، عفو و درگزر، سخاوت اور شجاعت کے کیسے اعلیٰ نمونے قائم کئے اور اللہ پر بھروسہ کی کیسی عظیم مثالیں آپ ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیں یہ سب ہمارے لئے ایک لازوال نمونہ ہے میرے اس مضمون میں حضور ﷺ کے چند پاک واقعات ہیں جنہیں پڑھ کر نہ صرف آپ کے علم میں اضافہ ہو گا بلکہ آپ کے دل میں نور خداوندی مزید بڑھ جائے گا ان میں سے ہر واقعہ ہمارے لئے ایک روشن چراغ کی مانند ہے جو ہمیں اس دنیا کی تاریکیوں میں سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور ہماری زندگیوں کو سنوارتا ہے۔

آپ ﷺ کی زندگی کے بارے میں اگر لکھیں تو ہزاروں کتابوں پر لکھا جا سکتا ہے یہاں پر میں ان کی شخصیت کے بارے میں مختصر پیراگراف تحریر کروں گا اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ایسے انسان تھے جن کو اللہ نے ہر خوبی عطا کی تھی جو آپ ﷺ کو دیکھتا مرعوب ہو جاتا اور جو آپ کے پاس رہ لیتا وہ آپ ﷺ کا جانثار بن جاتا آپ ﷺ جیسا نہ کبھی پہلے دیکھنے میں آیا اور نہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ سے لوگوں کو بے پناہ محبت تھی لوگوں کے دل آپ ﷺ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے یہ حضور ﷺ کی نبوت سے فیض یاب شخصیت کا نتیجہ تھا کچھ بیان درج

ذیل ہیں

ابو ہریرہ ؓ کی بھوک اور حضور ﷺ

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ بھوک سے بے قرار ہو کر راستے میں آ بیٹھے۔ عزت کی وجہ سے سوال تو نہ کر سکتے تھے سوچا کہ اگر کسی نے مجھے بھوکا سمجھ کر کھلا دیا تو کھالوں گا حضرت ابو بکر صدیق ؓ ادھر سے گزرے علیک سلیک بھی ہوئی مگر وہ کچھ نہ بولے اور چل نکلے پھر حضرت عمر ؓ گزرے انہوں نے بھی ابو ہریرہ کو دیکھا اور کچھ نہ کہا اتنے میں رسول ﷺ تشریف لائے آپ ﷺ نے ابو ہریرہ کو دیکھا اور ان کو ساتھ لے کر آ گئے گھر میں دودھ کا ایک پیالہ کہیں سے ہدیئے میں آیا تھا

حضور ﷺ نے فرمایا

"ابو ہریرہ جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ"

حضرت ابو ہریرہ سوچنے لگے کہ تھوڑا سا دودھ ہے اصحاب صفہ کی بجائے اگر حضور ﷺ یہ دودھ کا پیالہ مجھے ہی دے دیتے تو اچھا ہوتا لیکن حضور ﷺ کا حکم تھا فوراً اٹھے اور جا کر اصحاب صفہ کو بلا لائے سب بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے فرمایا

"ان کو دودھ پلاؤ"

حضرت ابو ہریرہ نے دودھ پلانا شروع کیا اسی پیالے سے سب دودھ پینے لگے یہاں تک کہ سب کا پیٹ بھر گیا جب سب پی چکے تو حضور ﷺ نے پیالے پر ہاتھ رکھا اور مسکرا کر حضرت ابو ہریرہ سے فرمایا

"اب ہم اور تم باقی ہیں بیٹھو اور پیو"

حضرت ابو ہریرہ نے پیالے میں سے دودھ پیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا

ابو ہریرہ اور پیو

حضرت ابو ہریرہ نے عرض کی

"بس یا رسول اللہ ﷺ میں خوب سیر ہو گیا"

اس کے بعد حضور ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر باقی دودھ پی لیا۔

اللہ کا ڈر

ایک مرتبہ عرب کے بدو بڑی تعداد میں مسجد نبوی میں آئے ان کے ہجوم سے رسول اللہ ﷺ دب گئے صحابہ نے جلدی سے اٹھ کر ان لوگوں کو پیچھے ہٹایا حضور ﷺ مسجد میں سے نکل کر حضرت عائشہ کے حجرے میں چلے گئے اور آپ ﷺ کو جو تکلیف پہنچی تھی اس پر بے اختیار آپ ﷺ کی زبان سے ان لوگوں کے حق میں بددعا نکل گئی

اسی لمحے آپ ﷺ نے قبلہ کی جانب منہ کر کے اپنے دونوں ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں اٹھائے اور دعا کی!

باری تعالیٰ! میں ایک انسان ہوں اگر تیرے کسی بندے کو مجھ سے تکلیف پہنچے تو مجھے سزا نہ دینا اللہ کے ڈر سے اکثر آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اکثر نماز میں رقت طاری ہو جاتا اور آنسو جاری ہو جاتے ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار حضور ﷺ کی ىدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں تھیں

ایک بار آپ ﷺ ایک جنازے میں شریک تھے قبر کھودی جا رہی تھی آپ ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا

لوگو ! اس دن کے لئے سامان تیار رکھو

غریبوں سے محبت

اللہ کے رسول اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے

"اے اللہ مجھے مسکین رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر"

حضرت عائشہ حضور ﷺ کو یہ دعا مانگتے دیکھا کرتی تھیں ایک دن انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! یہ دعا کیوں مانگتے ہیں

حضور ﷺ نے فرمایا!

اس لئے کہ دولت مندوں سے پہلے مسکین جنت میں جائیں گے

پھر آپ ﷺ نے فرمایا

اے عائشہ کبھی کسی غریب مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد نہ پھیرنا اسے کچھ ضرور دینا چاہیے۔ چاہے چھوارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔

اے عائشہ! غریبوں سے محبت رکھو ان کو اپنے قریب کرلو۔ ایسا کروگی تو اللہ بھی تمھیں اپنے قریب رکھے گا۔

یتیم بچوں سے معاملہ

مدینے پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام اللہ کے گھر کی تعمیر تھی پہلے تو یہ طریقہ تھا کہ جہاں موقع ملتا آپ نماز پڑھ لیا کرتے تھے لیکن اب ایک مسجد کی ضرورت تھی

حضور ﷺ جہاں ٹھہرے تھے اس کے قریب نجار کے لوگوں کی ایک زمین تھی اس پر کچھ قبریں تھیں اور کچھ کھجور کے درخت آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا!

میں یہ زمین اس کی قیمت ادا کر کے لینا چاہتا ہوں

نجار کے لوگوں نے عرض کی

ہم قیمت لیں گے مگر آپ سے نہیں اللہ سے

یہ زمین دراصل دو بچوں کی تھی جن کے ماں باپ مرچکے تھے۔ حضور ﷺ نے ان یتیم بچوں کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ وہ یہ زمین دے دیں اور اس کی جو قیمت ہو لے لیں ان بچوں نے عرض کیا!

"یارسول اللہ" آپ خوشی سے یہ زمین لے لیجئے ہمیں اس کی کوئی قیمت نہیں چاہیے یہ زمین ہماری طرف سے آپ کی نذر ہے۔

مگر حضور ﷺ نے بغیر قیمت ادا کئے زمین لینا پسند نہ فرمایا اور حضرت ابو ایوب انصاری کو ہدایت کی کہ وہ اس کی قیمت دے دیں۔ انہوں نے زمین کی قیمت دے کر وہ زمین لے لی اسی زمین پر مسجد نبوی تعمیر ہوئی۔

مسلمان اور کلام الٰہی

رانا محمد اعجاز گکھڑ

اسلام مسلمانوں کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور جو اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں اور دین اسلام کا دارومدار قرآن مجید پر ہے اس مضمون میں ہم قرآن کریم کے حقوق پر بحث کریں گے جو بحیثیت مسلمان ہم پر عائد ہوتے ہیں جہاں تک قرآن مجید کی شان و عظمت کا تعلق ہے اس کا بیان تو کجا کما حقہ ادراک بھی کسی انسان کے بس میں نہیں۔ قرآن کریم کے اصل مقام و مرتبہ کا علم تو صرف اس ذات کو ہے جس کا یہ کلام ہے اور اس کی حقیقی قدر و قیمت سے آگاہ صرف وہ ذات بابرکت ہے جس پر یہ نازل ہوا ہر مسلمان پر قرآن مجید کے پانچ بنیادی حقوق عائد ہوتے ہیں۔

1 - ایمان و تعظیم (یعنی قرآن مجید کو مانا جائے)

2 - تلاوت و ترتیل (دوسرا یہ کہ اسے پڑھے

3 - تذکرو تدبر (تیسرا یہ کہ اسے سمجھے)

4 - حکم و اقامت (چوتھا یہ کہ اس پر عمل کرے)

5 - تبلیغ (پانچواں یہ کہ اسے دوسروں تک پہنچائے)

ایمان و تعظیم

ماننے کا اصلی نام ایمان ہے اس کے دو پہلو ہیں یعنی دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے زبان سے اقرار لازمی ہے اور دوسرا دل سے تصدیق کی جائے۔

قرآن مجید پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کیا جائے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حضرت جبرائیل علیہ سلام کے ذریعے آخری رسول حضرت محمد

ﷺ پر نازل ہوا اس اقرار سے انسان دائرہ اسلام میں داخل تو ہو جاتا ہے مگر حقیقی ایمان اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ان تمام امور پر پختہ یقین اس کے قلب میں پیدا ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ کو وحی کا شدت سے انتظار رہتا تھا آپ ﷺ اس کے لئے بے چین رہتے تھے آپ رات کا بیشتر حصہ قرآن مجید پڑھنے میں گزراتے تھے رسول کریم اور صحابہ کرام کے قرآن سے اس گہرے شغف اور اس کی جانب اس قدر التفات کا سبب یہ تھا کہ انہیں یہ حق الیقین تھا کہ یہ خدا کا کلام ہے اس کے برعکس ہم مسلمان ہونے کا دعوی تو کرتے ہیں مگر حقیقت میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے صحیح معنوں میں قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کیا ہے حضرت علامہ اقبال نے بھی ایک جگہ قرآن مجید کو مظلوم ترین کتاب کہا ہے اس کی بنیادی وجہ بھی یہی تھی کہ آج کے مسلمانوں نے حقیقی معنوں میں قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا مسلمان جن مشکلات میں آج ہیں وہ سب اس کی تعلیمات سے غفلت کا سبب ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ محض قرآن مجید کو ایک مقدس آسمانی کتاب ماننے سے ہماری موجودہ صورت حال میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید کے جو حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کی اولین شرط یہ ہے کہ سب سے پہلے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور ہماری ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔

تلاوت و ترتیل

مسلمانوں پر قرآن مجید کا دوسرا حق یہ ہے کہ اسے پڑھا جائے تلاوت کلام پاک ایک بہت بڑی عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان کو تروتازہ رکھنے کا موثر ذریعہ بھی ہے قرآن مجید صرف ایک بار پڑھ لینے کے لئے نہیں بلکہ بار بار پڑھتے رہنے کا کلام ہے جس طرح جسم انسانی اپنی بقاء و تقویت کے لئے مسلسل غذا کا محتاج ہے بالکل اسی طرح روح انسانی کی تقویت کی غذا کلام ربانی ہے اگر قرآن مجید بس ایک دفعہ پڑھ لینے کی کتاب ہوتی تو کم از کم

نبی کریم ﷺ کو اسے بار بار پڑھنے کی قطعاً" کوئی حاجت نہ تھی لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پڑھتے رہنے کی بار بار تاکید ہوئی عہد رسالت کے بالکل ابتدائی ایام میں تو انتہائی تاکیدی حکم ہوا کہ رات کا بیشتر حصہ اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہو کر ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتے ہوئے بسر کرو۔ بعد کے ادوار میں جب مشکلات کا زور تھا اور صبر و استقامت کی خصوصی ضرورت ہوتی تھی تو رسول کریم ﷺ کو تلاوت قرآن کا ہی حکم دیا جاتا تھا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی تلاوت مسلسل کرتے رہنا کتنا ضروری ہے یہ مومن کی روح کی غذا اس کے ایمان کو ترو تازہ اور سر سبز و شاداب رکھنے کا اہم ذریعہ اور مشکلات و موانع کے مقابلے کے لئے سب سے موثر ہتھیار ہے تلاوت قرآن مسلسل کرتے رہنے سے بہت سی مشکلیں از خود حل ہو جاتی ہیں اور بے شمار نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔

تذکر و تدبر

ماننے اور پڑھنے کے بعد تیسرا حق قرآن مجید کا یہ ہے کہ اسے سمجھا جائے اور ظاہر ہے کہ کلام الٰہی نازل ہی اسی لئے ہوا ہے اور اس پر ایمان کا لازمی تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کا فہم حاصل کیا جائے بغیر فہم کے مجرد تلاوت کا جواز صرف ایسے لوگوں کے لئے ہے جو پڑھنے لکھنے سے بالکل محروم رہ گئے ہوں اور اب تعلیم کی عمر سے گذر چکے ہوں ایسے لوگ اگر بمشکل صرف تلاوت ہی کر لیں تو غنیمت ہے اور اس کا ثواب تو انہیں ضرور ملے گا اس کے برعکس جن لوگوں نے تعلیم پر زندگیوں کا اچھا خاصا عرصہ صرف کر دیا ہو اور دنیا کے بہت سے علوم و فنون پر دسترس حاصل کی ہو تو اگر وہ قرآن مجید کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن کی تحقیر و توہین اور تمسخر و استہزا کے مجرم گردانے جائیں۔

کوئی انسان خواہ کیسی ہی اعلیٰ استعداد کا مالک کیوں نہ ہو اور کتنی ہی کاوش کیوں نہ کرے یا پوری کی پوری عمر قرآن پر تدبر و تفکر میں بسر کر دے پر ممکن ہی نہیں کہ کسی مرحلے

پر پہنچ کر وہ سیر ہو جائے اور یہ محسوس کرے کہ قرآن کا فہم کماحقہ اسے حاصل ہو گیا ہے

اس بارے میں خود رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ ایک ایسا خزانہ ہے جس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے اور جس پر غور و فکر سے انسان کبھی فارغ نہ ہو سکے گا قرآن مجید خود ذی شعور انسانوں کو تفکر اور تعقل کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے

کذلک نفصل الایت لقوم یتفکرون O (یونس 24)

"اسی طرح ہم کھولتے ہیں اپنی آیات ان لوگوں کے لئے جو تفکر کریں"

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں کسی عارف کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے قرآن کی تمام تلاوت برائے تذکر اور اس پر گہرے غور و فکر کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

وہ صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو ایک مرتبہ تو ایک ہفتہ میں مکمل کرتا ہوں ایک دفعہ ایک مہینہ میں اور ایک دفعہ پورے سال میں مکمل کرتا ہوں جبکہ ایک طریقہ یہ بھی ہے جس میں تیس سال سے مشغول ہوں اور تاحال فارغ نہیں ہو سکا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر انسان کو اپنی عقل اور سوچ کے لحاظ سے قرآن مجید پر تذکر و تدبر کرنا چاہیے۔

حکم واقامت

ایمانؒ و تعظیم ' تلاوت و ترتیل اور تذکر و تدبر کے بعد قرآن مجید کا چوتھا حق مسلمانوں پر یہ ہے کہ وہ اس پر عمل کریں۔

اور ظاہر ہے کہ ماننا پڑھنا اور سمجھنا یہ سب کچھ عمل کے لئے ہی مطلوب ہے یعنی قران مجید انسانوں کے لئے رہنمائی ہے اور اس کا مقصد نزول صرف اسی طرح پورا ہو سکتا ہے کہ لوگ اسے اپنی زندگیوں کا لائحہ عمل بنا لیں یہی وجہ ہے کہ خود قرآن حکیم اور اس ذات اقدس نے جس پر یہ نازل ہوا اس بات کو واضح کر دیا کہ قرآن پر عمل نہ کیا جائے تو اس کی تلاوت یا اس پر غور و فکر کا کیا فائدہ خود ایمان ہی نہیں رہتا۔

اس بات کی مزید وضاحت رسول کریم ﷺ نے ایک اور جگہ کی ہے تم میں سے کوئی

شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس ہدایت کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں بہر حال اصل بات جو عرض کرنی مقصود ہے یہ کہ قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل قرآن مجید کا وہ حق ہے جو ہر مسلمان پر اس کی انفرادی حیثیت میں اور پوری امت مسلمہ پر اجتماعی اعتبار سے عائد ہوتا ہے اور جس کی ادائیگی کی فکر ہم میں سے ہر شخص کو انفرادی طور پر اور پوری امت کو اجتماعی طور پر کرنی چاہیے۔

تبلیغ

ماننے، پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے علاوہ قرآن مجید کا ایک اور حق جو ہم پر عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچایا جائے پہچانے کے لئے قرآن مجید کی اصل اور جامع اصطلاح تبلیغ ہے بعثت کی پہلی ساعت سے لے کر حیات دنیوی کی آخری گھڑی تک مسلسل تئیس سال رسول کریم ﷺ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کے لئے محنت و مشقت اٹھاتے اور مصائب برداشت کرتے رہے۔ بہر حال مسلسل تئیس برس کی محنت کر کے رسول کریم ﷺ نے قران مجید کی تعلیم کا حق ادا کر دیا اور اللہ کی امانت اس کے بندوں تک پہنچا دی۔

رسول کریم نے ان مبارک الفاظ کے عموم سے کہ بلغو عن ولو اٰیتہ (پہنچاؤ میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت) سے ثابت ہوتا ہے کہ اس ذمہ داری سے کوئی بھی بری نہیں جسے ناظرہ پڑھنا آتا ہے وہ دوسروں کو ناظرہ پڑھنا سکھا دے جسے حفظ ہے وہ دوسروں کو یاد کرائے اور جسے اس کا علم و فہم حاصل ہو وہ اسے دوسروں تک پہنچائے جسے ترجمہ آتا ہے وہ دوسروں کو ترجمہ پڑھائے حتیٰ کہ اگر کسی کو ایک آیت ہی یاد ہو اور وہ اسے ہی دوسروں کو یاد کرا دے تو یہ بھی تبلیغ قرآن میں شامل ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ سے کثرت کے ساتھ دعا کرتے رہنا چاہیے تاکہ ہمیں قرآن مجید کے حقوق ادا کرنے کی توفیق حاصل ہو سکے اور ہم دنیا و آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں

سبق آموز

وصال حق

ڈاکٹر عبدالرشید وقار لاہور

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ مثنوی میں حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک پیاس کی وجہ سے اس کی جان پر بنی ہوئی تھی وہ دریا کے کنارے ایک اونچی دیوار پر جو اینٹ اور چونے وغیرہ سے بنی ہوئی تھی بیٹھا ہوا تھا۔ پانی تک اس کی رسائی مشکل تھی شدت پیاس کی وجہ سے اس نے پانی کو آواز دی کہ تو میرے قریب آکر میری پیاس بجھا دے پانی سے آواز آئی کہ یہ میری فطرت کے خلاف ہے تم اگر پیاس بجھانا چاہتے ہو تو میرے قریب آؤ اور جتنا پی سکو پی لو۔ میں کبھی پیاسے کے پاس چل کر نہیں جایا کرتا۔

مریض غصے میں آگیا اور اس نے دریا کی اینٹیں اکھاڑ اکھاڑ کر دریا میں پھینکنا شروع کر دیں پانی تو اس کے پاس نہ آیا البتہ دیوار کی اونچائی کم ہونا شروع ہو گئی۔ اور وہ بھی بتدریج پانی کے قریب ہو تا گیا مرحلہ یہاں تک آپہنچا کہ اس نے آخری اینٹ بھی اکھاڑ دی پانی پیا اور جان بچ گئی۔

مولانا رومیؒ جو عشق و مستی اور کیف سرور کے منفرد مقام پر فائز ہیں حکایات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اے بندے تیری روح اس مریض کی طرح اپنے خالق سے ملنے کے لئے بے قرار ہے لیکن تو غرور اور حرص کی پختہ دیوار پر چڑھا ہوا ہے اگر تو نے اس دیوار کو نہ گرایا تو تیری موت دیوار کے اوپر ہی ہو جائے گی اگر تو چاہتا ہے کہ وصال حق کی سعادت حاصل ہو تو پھر دیوار کو ایک ایک اینٹ کر کے گرا دے مقصد حاصل ہو جائے گا پھر فرماتے ہیں کہ اب تو تو جوان ہے یہ کام ابھی سے شروع کر دے جب تو بوڑھا ہو جائے گا تو تیرے ہاتھوں میں اینٹ اکھاڑنے کی قوت نہ رہے گی لہٰذا وقت کو غنیمت جان اور مراد پانے کے لئے مصروف عمل ہو جا۔

فضائل ذکر

ڈاکٹر محمد عرفان مغل گکھڑ

اللہ تعالیٰ شانہ کے پاک ذکر میں اگر کوئی آیت یا حدیث نبوی نہ بھی وارد ہوتی تب بھی اس منعم حقیقی کا ذکر ایسا ہوتا کہ بندہ کو کسی آن بھی اس سے غافل نہ ہونا چاہیے تھا کہ اس ذات پاک کے انعام و احسان ہم پر اتنے کثیر ہیں جن کی نہ کوئی انتہا ہے نہ مثال۔ ایسے منعم کا ذکر' اس کی یاد' اس کا شکر اس کی احسان مندی فطری چیز ہے لیکن اس کے ساتھ جب قرآن و حدیث اور بزرگوں کے اقوال و احوال اس پاک ذکر کی ترغیب و تحریص سے بھرے ہوئے ہیں تو پھر کیا پوچھنا ہے اس پاک ذکر کی برکات کا اور کیا ٹھکانا ہے اس کے انوار کا تاہم اول چند آیات قرآنی اور پھر چند احادیث اس مبارک ذکر کے لئے پیش کرتا ہوں۔

۱ سورۃ بقرہ میں ہے (ترجمہ)

"پس تم میری یاد کرو (میرا ذکر کرو) میں تمھیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور ناشکری نہ کرو

۲ سورۃ آل عمران میں ہے (ترجمہ)

"اور کثرت سے اپنے رب کو یاد کیا کیجئے اور صبح و شام تسبیح کیا کیجئے"

۳ سورۃ آل عمران میں ہے (ترجمہ)

(پہلے سے عقلمندوں کا ذکر ہے) "وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے پر غور کرتے ہیں (اور غور کے بعد یہ کہتے ہیں) کہ اے ہمارے رب آپ نے یہ سب بیکار تو پیدا نہیں کیا ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں آپ ہم کو عذاب جہنم سے بچا لیجئے"

۴ سورہ اعراف میں ہے (ترجمہ)

"اللہ ہی کے واسطے ہیں اچھے اچھے نام پس ان کے ساتھ اللہ کو پکارا کرو"

۵ سورہ اعراف رکوع ۲۴ میں ہے (ترجمہ)

"اور اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں اور ذرا دھیمی آواز سے بھی اس حالت

میں کہ عاجزی بھی ہو اور اللہ کا خوف بھی ہو (ہمیشہ) صبح کو بھی شام کو بھی اور غافلین میں سے نہ ہو۔"

۶ سورہ رعد رکوع ۴ میں ہے (ترجمہ)

"اور جو شخص اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو ہدایت فرماتے ہیں وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے انکے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر (میں ایسی خاصیت ہے کہ اس سے) دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے"

۷ سورہ حج رکوع ۵ میں ہے (ترجمہ)

اور آپ جنت وغیرہ کی خوشخبری سنا دیجئے ایسے خشوع کرنے والوں کو جن کا یہ حال ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ان کے دل ڈر جاتے ہیں"

۸ سورہ احزاب رکوع نمبر ۵ میں ہے (ترجمہ)

اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے

۹ سورہ زمر رکوع ۳ میں ہے (ترجمہ)

"پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں"

یہ تھا مختصر سا احوال قرآن مجید کی آیات میں سے فضائل ذکر کے بارے میں اب حدیث مبارکہ میں فضائل ذکر کے بارے میں حضور کے ارشادات مندرجہ ذیل ہیں

۱ ۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر مجمع میں کرتا ہے تو اس مجمع میں سے بہتر فرشتوں کے مجمع میں تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ اگر وہ ایک ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہے تو میں دو ہاتھ بڑھتا ہوں

اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر آتا ہوں۔

۲ ۔ حدیث میں آیا ہے کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی (بلکہ ضرور قبول ہوتی ہے) ایک وہ جو اللہ کا ذکر کرتا ہو دوسرے مظلوم تیسرے وہ بادشاہ جو ظلم نہ کرتے ہوں۔

۳ ۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤ جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمھارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمھارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو وہ تم کو قتل کریں اس سے بڑھی ہوئی صحابہ ؓ نے عرض کیا ضرور بتائیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کا ذکر ہے۔

۴ ۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان دونوں کی مثالیں زندہ اور مردے کی سی ہیں کہ ذکر کرنے والا زندہ اور نہ کرنے والا مردہ ہے

۵ ۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک شخص کے پاس بہت سے روپے ہوں اور وہ ان کو تقسیم کر رہا ہو اور دوسرا شخص اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو ذکر کرنے والا افضل ہے۔

۶ ۔ حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ جو بھی لوگ اللہ کے ذکر کے لئے مجتمع ہوں اور ان کا مقصود صرف اللہ ہی کی رضا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے ہو اور تمھاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئی ہیں۔

۷ ۔ دوسری حدیث میں ہے اس کے بالمقابل جو اجتماع ایسا ہو کہ اس میں اللہ کا ذکر نہ ہو تو یہ اجتماع قیامت کے دن حسرت و افسوس کا سبب ہو گا۔

اگر ہم قرآن مجید کو پڑھنا شروع کریں تو پورا قرآن مجید ہی اللہ کے ذکر کے فضائل بیان کرتا ہے اور احادیث مبارکہ بھی اللہ کے ذکر کے فضائل سے بھری پڑی ہیں ۔ایسے میں ایک مسلمان کا ذکر اللہ سے غفلت بدنصیبی کے سوا اور کیا ہے۔؟

وضو کا بیان

رانا فیصل حنیف گکھڑ

وضو کی فضیلت و برکت:۔

وضو کی عظمت و اہمیت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ خود قرآن میں نہ صرف اس کا حکم ہے بلکہ تفصیل کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وضو میں کن کن اعضاء کو دھویا جائے اور یہ بھی وضاحت کی کہ وضو نماز کی لازمی شرط ہے

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

"مومنو! جب تم نماز پڑھنے کے لئے اٹھو تو پہلے اپنے چہروں کو دھو لو اور اپنے دونوں ہاتھوں کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں پر مسح کر لو اور پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں تک دھو لو"

نبی اکرم ﷺ نے وضو کی فضیلت و برکت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا!

"میں قیامت کے روز اپنی امت کے لوگوں کو پہچان لوں گا!" کسی نے کہا یا رسول اللہ وہ کیسے؟ وہاں تو ساری دنیا کے انسان جمع ہوں گے؟ فرمایا

"ایک پہچان یہ ہوگی کہ وضو کی وجہ سے میری امت کے چہرے اور ہاتھ پاؤں جگمگا رہے ہوں گے" آپ ﷺ نے فرمایا

"وضو کرنے سے چھوٹے چھوٹے گناہ دھل جاتے ہیں اور وضو کرنے والا آخرت میں بلند درجات سے نوازا جاتا ہے اور وضو سے سارے ہی بدن کے گناہ جھڑ جاتے ہیں"

وضو کا مسنون طریقہ:۔

وضو کے لئے پہلے داہنے ہاتھ میں پانی لے کر دونوں ہاتھوں کو کلائیوں تک خوب اچھی طرح مل مل کر تین بار دھوئیے پھر داہنے ہاتھ میں میں پانی لے کر تین بار کلی کرے اور مسواک بھی کرے اور اگر کسی وقت مسواک نہ ہو تو شہادت کی انگلی اچھی طرح دانتوں پر مل کر دانت صاف کرے اگر روزے سے نہ ہو تو تینوں بار غرارہ بھی کرے یعنی حلق تک پانی

پہنچائے کلی کرنے کے بعد تین بار ناک میں اس طرح پانی ڈالے کہ پانی ناک کے نتھنوں تک پہنچ جائے اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرے ناک میں پانی ڈالنے کے لئے ہر بار نیا پانی لے پھر دونوں ہاتھ ملا کر لپ میں پانی لے لے کر تین بار پورا چہرہ اس طرح دھوئے کہ بال برابر بھی جگہ سوکھی نہ رہ جائے اگر داڑھی گھنی ہو تو داڑھی میں خلال بھی کرے تاکہ بالوں کی جڑ تک پانی اچھی طرح پہنچ جائے۔

پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اچھی طرح مل مل کر دھوئے پہلے دایاں ہاتھ پھر بایاں ہاتھ تین تین بار دھوئے اگر ہاتھ میں انگوٹھی وغیرہ ہو تو ہلالے اور عورتیں بھی اپنے چوڑیاں اور زیور وغیرہ ہلالیں تاکہ پانی اچھی طرح پہنچ جائے اور ہاتھوں کی انگلیاں ڈال کر خلال بھی کرے پھر دونوں ہاتھوں کو پانی سے تر کرکے سر اور کانوں کا مسح کرے۔

مسح کرنے کا طریقہ :۔ مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انگوٹھا اور شہادت کی انگلی الگ رکھ کر باقی تین انگلیاں دونوں ہاتھوں کو ملا کر انگلیوں کا اندرونی حصہ پیشانی کے بالوں سے پیچھے کی طرف پھیر کر چوتھائی سر کا مسح کرے پھر ساتھ ہی دونوں ہتھیلیاں پیچھے کی طرف سے پھیر کر تین چوتھائی سر کا مسح کرے پھر شہادت کی انگلی سے کان کے اندرونی حصہ میں انگوٹھے سے بیرونی حصے میں مسح کرے پھر انگلیوں کی پشت سے گردن کا مسح کرے لیکن گلے کا مسح نہ کرے مسح کے اس طریقے میں حکمت یہ ہے کہ اس طرح کسی بھی حصہ کے مسح میں ہاتھ کا وہ حصہ دوبارہ استعمال نہیں ہوتا جو ایک بار استعمال ہو چکا ہے۔

مسح کرنے کے بعد پھر دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت تین تین بار اس طرح دھوئے کہ دائیں ہاتھ سے پانی ڈالتا جائے اور بائیں ہاتھ سے ملتا جائے اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال بھی کرے دائیں پیر میں خلال چھوٹی انگلی سے شروع کرکے چھوٹی انگلی کی دراز پر ختم کرے اور وضو تسلسل کے ساتھ کرنے کا اہتمام کرے ایک وضو کے بعد فوراً دوسرا عضو دھوئے ٹھہر ٹھہر کر وقفوں کے ساتھ نہ دھوئے۔(ماخوذ از آسان فقہ)

آئندہ شمارہ میں انشاء اللہ وضو کے احکام کے متعلق بیان کیا جائے گا

اقبال کا مردِ مومن

ایم محمد اکرم فیصل آباد

آج سے بہت عرصہ پیشتر مرزا غالب مرحوم نے ایک شعر کہا تھا۔

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

یہ محض ایک شعر ہی نہیں بلکہ ایک حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کہ ہر انسان جو نسل آدم سے ہی ہے اور آدمی بھی کہلاتا ہے لیکن اس کے اندر آدمیت اور انسانیت مفقود ہے۔ مسلمان ہونا اور پھر مومن ہونا یہ تو دور کی بات ہے۔ یہاں تو ایک انسان کا صحیح انسان بننا ہی مشکل نظر آتا ہے۔

کافی عرصہ کی بات ہے کہ مرحوم مولانا احمد علی لاہوری (خطیب شیرانوالہ گیٹ) اپنی ایک نجی محفل میں اپنا ایک واقعہ سنا رہے تھے۔ کہ "میں راولپنڈی کے ایک بھرے بازار میں سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک سیدھا سادہ فقیر اور درویش قسم کا آدمی میرے قریب آیا اور بازار کی طرف اشارہ کر کے مجھے کہنے لگا مولانا! زرا دیکھئے یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں نے بازار کی طرف توجہ کی تو عجیب نظارہ میرے سامنے تھا۔ بازار میں گھومنے والے تمام انسان کوئی بندر نظر آرہا تھا کوئی سور تھا کوئی کتا اور دور دور تک کسی انسان کی شکل نظر نہ آتی تھی۔ میں اس نظارے میں محو ہو گیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد جب میں اس فقیر کی طرف دوبارہ متوجہ ہوا کہ اس سے پوچھوں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ تو دیکھا کہ فقیر غائب تھا اور دور دور تک کہیں نظر نہ آیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ بازار کا منظر بھی ختم ہو گیا میں کافی دیر تک وہیں کھڑا سوچتا رہا کہ الہی! اس بھرے شہر میں ایک بھی فرد ایسا نہیں جو انسانیت کے معیار پر پورا اتر سکے اس مقام پر آکر پھر مرزا غالب سے ہم خیال ہونا پڑتا ہے۔ کہ مرزا

مرحوم ٹھیک ہی تو کہتے تھے کہ

کہ آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا۔

اسلام میں جس کو مومن کہا گیا ہے۔ وہی صحیح انسان بھی ہے۔ لیکن مومن بننے کے لئے کچھ تربیتی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسلامی شریعت پر عمل۔ زاہد و اتقا اختیار کیے ہوئے فقر اور عشق کے امتزاج سے جو ہیت ترکیس بنتی ہیں۔ وہی بندہ مومن ہے۔ اس کا وجود توحید و رسالت کی معرفت اور شریعت و طریقت کے ادراک سے قائم ہے۔ اس کا ایک قدم زمین پر ہوتا ہے اور دوسرا عرش آسمانی پر۔ تدبر و تقدیر اس کے اشاروں پر عمل کرتی ہے وہ عبدیت کے درجہ پر رہتے ہوئے نیابت خداوندی اور صفات ملکوتی بیک وقت حاصل کرلیتا ہے راز کن وکان بھی وہی ہے اور انی جاعل فی الارض خلیفتہ کا مقداق بھی اس کی ذات ہے۔

قارئین گرامی! علامہ اقبال قوموں کے عروج و زوال کے پس منظر پر جب گہری نظر ڈالتے ہیں تو وہ دیکھتے ہیں کہ جن اقوام نے اپنے عہد میں غلبہ ارضی حاصل کیا۔ اکثر ان افراد کی تعداد مختصر اور ان کے ذرائع محدود تھے اس کے باوجود اگر وہ قومیں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں تو یہ ان کے افراد کی غیر معمولی صلاحیتوں کا نتیجہ تھا۔ یونان۔ روما۔ فرنگ اور عجم فرانسیسی اور المانوی اپنے اپنے وقت پر صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور دنیوی کامیابیوں کے اعلیٰ مقام تک پہنچے۔ ان کی یہ فتوحات اور کامرانیاں ان کے افراد ہی کی ہمتوں اور سخت کوششوں کا ثمرہ تھیں۔ لیکن ان کے نتائج سراسر مادی اور ان کے مقاصد بشیر پست اور بیمانہ تھے۔ یہاں اقبال کے ضمیر میں مرد مومن ابھرتا ہے اور وہ اپنے مخاطب کے سامنے کامرانی اور سربلندی کا وہ تصور پیش کرتا ہے۔ جو دراصل اسلام ہی کا مقصود حقیقی ہے۔ اور جسے تقدیر الٰہی نے مومن کی میراث قرار دیا ہے۔

اقبال کا مرد مومن انسانیت کا ایک اکمل نمونہ ہے۔ اور ان تمام اوصاف سے متصف ہے جو ایک طرف اللہ کا قرب حاصل کرنے اور دوسری طرف تسخیر عالم کے لئے

ضروری ہیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ اقبال کے مرد مومن کو وہ دولت حاصل ہے جسے فقر کہا گیا ہے اور وہ سیر چشمی بھی ملتی ہے ۔ جو سلطانی و درویشی کے حسین امتزاج سے عبارت ہے ۔

اقبال کا مثالی نوجوان سخت کوشی اور ایثار کا ایک ایسا امتزاج پیش کرتا ہے کہ جس کا سراغ نہ تو یونان کے انسانی دیوتاؤں میں ملتا ہے نہ نٹشے کے سپرمین میں ۔ اور اگر کوئی انسانی نمونہ اس کے تصور کے قریب پہنچتا ہے ۔ تو وہ قرون اولیٰ کا مرد کامل ہے ۔ جو بیک وقت سردار بھی ہے اور خادم بھی ' سلطان بھی ہے اور خادم بھی ' سلطان بھی ہے اور قلندر بھی وہ متاع دنیوی حاصل بھی کرتا ہے اور اسے حقارت سے بھی دیکھتا ہے وہ ایک سیرت اور کردار کا مالک ہے جو مصاف زندگی میں فولاد اور شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ثابت ہوتا ہے ۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حلقہ و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

علامہ اقبال مرحوم ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں

کوئی اندازہ کر سکتا ہے ان کے زور بازو کا ؟
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

قارئین کرام ! انسانیت کے بیشتر معلموں اور راہبروں کی طرح اقبال نے بھی اپنی تعلیمات کو سب سے پہلے ایک مجسمے کی صورت میں پیش کیا ہے یہ مجسمہ "مرد مومن جو ان تمام خوبیوں سے آراستہ ہے ۔ جن سے علامہ اقبال اپنے وطن کے مسلم نوجوانوں کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے ۔ چنانچہ اس نے اپنی تمام تر توجہ ان کی سیرت کی تعمیر پر مرکوز کر دی اور اس سلسلے میں سب سے پہلے ایک نوجوان فرد کو منتخب کیا ۔ کیونکہ فرد کی تعمیر ہی قوم کی تعمیر کا دوسرا نام ہے ۔

قارئین گرامی ! اقبال کا یہ آئیڈیل انسان اس عالم ہیت و بود کا صدر نشین

ہے اور دولت کائنات اس کے قدموں میں بکھری پڑی ہے ۔ وہ اس کی طرف دیوانہ وار نہیں لپکتا۔ بلکہ ایک حقیقی شان بے نیازی سے اسے زیر قدم لاتا ہے اور اس عالم اسباب میں زندگی بسر کرتے ہوئے بھی وہ اسباب کا غلام نہیں ہوتا۔

چونکہ علامہ اقبال کا خطاب زیادہ تر نوجوانوں سے ہے اس لئے ان کی برائیوں کے استیصال کو وہ ان کی تربیت کی پہلی منزل قرار دیتا ہے اس کے علاوہ وہ ان میں سے ایک مثبت انداز نظر اور ایک توانا ذہنیت پیدا کرنے کا آرزو مند ہے ۔ اور اعلیٰ دنیوی اقدار کے ساتھ ساتھ وہ ان میں روحانی بلند نظری اور عالی حوصلگی کے نشوونما کا بھی متمنی ہے اور یہیں سے اس فقر کی ابتدا ہوتی ہے جسے اقبال نے مرد مومن کا نشان امتیاز کہا اور جسے وہ اپنے مقصود نظر نوجوان کی فطرت میں گوندھ دینا چاہتا ہے ۔ وہ ایک سخت کوش اور بلند ہمت فرد کے ساتھ ساتھ اس کو ایک مرد درویش کے روپ میں دیکھنے کا طالب ہے ۔ وہ اس کی خاک کو نور میں سمو دینا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ شکست سے ناآشنا اور زوال سے ماورا ہو جائے اور اس مقام تک پہنچ جائے کہ وہ خلافت الہیہ کا اہل ہو جائے اور اللہ کے اتنا قریب ہو جائے کہ!

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے ۔
عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

معزز قارئین! اقبال کا یہ آئیڈیل انسان جس کے ایمان میں عقل کی فتوحات اور عشق کی ورافتگی دونوں شامل ہیں اور اس کی مملکت میں فتوحات کے ساتھ ساتھ محبت کی تسخیرات اور عشق کی کامرانیاں بھی کار فرما ہوں ۔ یہ مرد مومن اور انسان کامل جب عقل و عشق کا ایک خوبصورت امتزاج لئے ہوئے میدان عمل میں آتا ہے تو تدبیر اس کی رکاب تھامتی ہے اور تقدیر اس کی فتح و نصرت کا پھریرا لئے اس کے آگے آگے چلتی ہے۔ پھر جب یہی فرد پھیل کر ایک قوم کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو وہ زمین پر اللہ کی حکومت

قائم کرتا ہے۔ اور پھر فرش خاکی کو عرش عالی کا ہم پایا کر دیتا ہے

ہر لحاظ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

قارئین گرامی! مغرب کے بعض دانشوروں نے بھی یقین کی قوتوں کو بے نقاب کیا ہے اور اس یقین کی بنیاد پر ایک تصوراتی انسان کا خاکہ "سپرمین" کی شکل میں موجود ہے مگر اس یقین اور اس ایمان میں کوئی مناسبت نہیں جسے علامہ اقبال پیش کرتے ہیں ۔

نٹشے کا سپرمین اپنے پندار میں گم ہے۔ لیکن علامہ اقبال کے مرد مومن میں کائنات گم ہو جاتی ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اقبال کا مرد مومن بیک وقت دنیا کا راہبر بھی ہے اور رفیق بھی سلطان بھی ہے اور خادم بھی۔ مقتدی بھی ہے اور مقتدی بھی۔ اور یہ جذبہ تسخیر کسی قومی یا نسلی برتری کے تصور یا قوت و اقتدار کی کسی ادنیٰ خواہش سے تحریک نہیں پاتا بلکہ اس پیغام کی صدائے بازگشت سے ابھرتا ہے۔ جو تقدیر ربانی کے منشا کے مطابق آج سے چودہ سو برس پہلے بطحا کی وادیوں میں گونجا تھا۔

معزز قارئین! مغرب کی نگاہ قومیت کے افق کے پار نہیں جاتی اس کے برعکس اقبال کا مقصود نظر اس نظام حیات کا قیام ہے جس میں بندگی و خواجگی کے الفاظ بے معنی ہو کر رہ جائیں اور انسان ہر نوع کی مخالف قوتوں پر غلبہ پا کر اس منزل تک پہنچ جائے جو اس کے لئے روز ازل سے مقدر ہو چکی ہے اور قرآن حکیم نے اسے مقام محمود سے تعبیر کیا

ہے۔ اس روحانی سربلندی اور سرور جاودانی کے باوجود وہ ہر گھڑی اس حرارت کا متلاشی ہے جو اسکی آتش نفس کو برابر فروزاں اور شعلہ قلندری کا جاوداں رکھے۔ جس سے اس کی شمع خودی اکتساب نور کرتی ہے اور مہر و ماہ کا ھمسفر بنا دیتی ہے

نہ تو زمیں کے لئے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے
نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر بہر کارواں کے لئے

اقبال نے انسانیت کاملہ کا وہ زندہ تصور پیش کیا ہے جسے وہ مرد مومن کا نام دیتا ہے۔ اور جس فانوس ایمان سے شمع عشق فروزاں جس کے احاطہ ایقاں میں یقین بالذات عیاں اور جس کے منصب عالی میں نور عمل نمایاں ہے۔ مومن اس زمین پر سنت رسول کا وارث اور سیرت رسول کا نمونہ اور اس مشن کی تکمیل کرتا ہے جس کی اساس تقدیر الٰہی نے چودہ صدیاں قبل رسول اللہ ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے رکھوائی گئی تھی۔ مومن کا قلب گداختہ اسی حرارت کا امین ہے اسی حرارت سے صدیق اکبرؓ کا سینہ گرم ہوا۔ یہی حرارت فاروق اعظمؓ میں نظر آئی۔ اس کا نور بلالؓ کی آنکھوں میں چمکا پھر کائنات کی وسعتیں اس کے لئے کیوں محدود رہیں۔

افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن
ہر حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

قرآنی تعلیمات اور ہماری زندگی

محمد طاہر عباس گکھڑ

ہم چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھ کر دنیا و آخرت کو سنوار سکتے ہیں۔
اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے لیکن اس کے باوجود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے وہ کون سا مسئلہ یا نکتہ ہے جس کے بارے میں ہمیں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے راہنمائی نہیں ملتی ؟ لیکن ہم اس ضابطہ حیات کو تسلیم کرنے کے باوجود اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھال کر اپنی دنیاوی اور اوخروی زندگی کو کامیابیوں اور کامرانیوں سے بھر سکتے ہیں۔

یہ بد قسمتی نہیں تو کیا ہے کہ ہم اپنے مذہب پر جان دینے کے لئے تو تیار ہو جاتے ہیں مگر اس کو اپنی زندگیوں پر لاگو نہیں کرتے قرآن و حدیث میں جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ ہماری سماجی زندگی کے مختلف پہلو ہیں

اور اسلام کے مختلف اصولوں پر عمل پیرہ ہو کر نہ صرف رضائے الٰہی حاصل کر سکتے ہیں بلکہ اپنی دنیاوی زندگی بھی سنوار سکتے ہیں ہماری سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں حقوق العباد کا تذکرہ تو آتا رہتا ہے لیکن اس کے بعد ساتھ ساتھ نجی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے کیونکہ اس میں دوسروں کا ہی نہیں اپنا بھی مفاد پوشیدہ ہے اگر ہم حکم خداوندی کے تحت اپنی زندگیوں کو ڈھال لیں تو ایک طرح سے اپنے ہی حق میں بہتری ہے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں جابجا ہماری زندگیوں کو سنوار دینے والی ہدایات موجود ہیں آج ہم چھوٹی سی چیز زبان کے بارے میں بات کرتے ہیں

اور بچے رہو جھوٹی بات سے (الحج) ۳۰

ہم اپنی روز مرہ کی زندگی پر نگاہ ڈالیں تو دیکھیں صبح سے شام تک کتنے

جھوٹ اپنی مرضی سے اپنے مفاد کے لئے اور کتنے بلا مقصد بغیر کسی فائدے کے بولتے چلے جاتے ہیں اور اسے دروغ مصلحت آمیز قرار دیتے ہیں کاروبار سے لے کر رہن سہن تک اور میل ملاپ کے معاملات میں بے دریغ جھوٹ بولتے ہیں جس کا خمیازہ بعد میں کئی قسم کے فسادات کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے اور جو بچے آج ہمیں ہر معاملے میں بے دریغ جھوٹ بولتے ہوئے اور سنتے دیکھتے ہیں ان کی صحیح تربیت کے بارے میں ہم کیسے سوچ سکتے ہیں ؟

بلکہ ہمیں یہ توقع رکھنی چاہیے

اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہی بچے آگے چل کر ہمارے ساتھ بھی اسی طرح جھوٹ بولتے ہیں اور زندگیوں کو تباہ کرلیتے ہیں آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ سچ بولو اور جھوٹ مت بولو سنی سنائی اور بلا تحقیق کسی بات کا آگے بیان کر دینا بھی گناہ ہے

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ بولنے سے بچو اور یہ کہ جھوٹ اور فجور ساتھ ساتھ ہیں اور یہ دونوں جہنم میں ہیں آنحضور ﷺ نے فرمایا

کہ جھوٹی شہادت تین مرتبہ شرک کے برابر ہے نیز حدیث شریف میں ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے

اور دوسرا کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور ہے اور وہ اس بیٹھے ہوئے شخص کے کلے چیر رہا ہے یہاں تک کہ گدی تک جا پہنچا ہے پھر وہ کلا درست ہو جاتا ہے پھر اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے میں نے اپنے ساتھی (جبرائیل) سے پوچھا تو کہا کہ وہ شخص جھوٹا ہے اس کے ساتھ قیامت تک یونہی ہوتا رہے گا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عذاب سے محفوظ رکھے (آمین) ارشاد باری تعالیٰ ہے "سچوں کے ساتھ رہو قیاس آرائیوں سے بچو (حجرات) بعض اوقات ہم محض زبانی قیاس آرائیوں کی وجہ سے دوسروں کی یا اپنی زندگی تباہ کرلیتے ہیں یہ ہمارے معمولات میں شامل ہے کہ اپنی زندگی سے زیادہ دوسروں کی فکر کر رکھتے ہیں کہ کس نے کیا کیا کیا کھایا کیا کہا اسی فکر

میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں اور اپنی اپنی عقل اور ظرف کے مطابق قیاس آرائیوں میں مصروف رہتے ہیں جسکی سختی سے ممانعت کی گئی ہے زبان ہی سے پیدا ہونے والا ایک فساد چغل خوری اور غیبت ہے۔

کسی بات کو تحقیق کے بغیر آگے بیان کر دینا بھی گناہ ہے غیبت کرنے والے کو اس کی نیکیاں اس کو مل جاتی ہے جس کی غیبت کی جا رہی ہے

ارشاد باری تعالی ہے۔

ایک دوسرے کی غیب نہ کرو اور نہ ٹو میں لگے رہو (حجرات 11)

چغل خوری ایک گناہ کبیرہ ہے کسی کا عیب یا قول و فعل جس کو دو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے وہ دوسروں پر ظاہر کر دیا جائے تو یہ چغل خوری ہے اگر وہ بات صحیح ہے تو صرف چغلی کا گناہ ہو گا اگر خلاف واقعہ ہے یا بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے تو اس میں افتراء اور بہتان بھی شامل ہو جاتا ہے جو کبیرہ گناہ ہے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ چغلی لے کر ادھر سے ادھر جاتے ہیں جو دوستوں میں باہم فساد ڈلواتے ہیں اور جو بے قصوروں کے عیب ڈھونڈتے ہیں وہ بد ترین انسان ہیں اور فرمایا کہ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا چغلی عذاب قبر ہے اب ان قرآنی آیات ہدایات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہم اپنی روز مرہ زندگی کو دیکھیں تو ندامت کا مقام ہے کہ ہم دن رات ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ادھر ادھر بات لے جانے دوستوں میں فساد ڈلوانے ارو بے قصوروں کے عیب ڈھونڈنے میں کس حد تک اپنی توانائیاں صرف کرتے رہتے ہیں خاندان میں میل جول رکھنے والے لوگوں میں گلی محلے میں سب سے بڑھ کر ہمارے دفاتر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہمارے سامنے ہے کہ اپنے ذاتی فوائد کی خاطر ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی خاطر یا محض تفنن طبع کی خاطر دن رات اس گناہ میں ملوث ہوتے رہتے ہیں شائد اسی لئے دلوں سے اطمینان اور چہروں سے رونق غائب ہوتی جا رہی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ غیبت زنا سے سخت تر ہے کسی کی

غیر موجودگی میں ایسی بات کہنا جو وہ اگر سن لے تو اسے بری لگے اگرچہ وہ بات اس میں موجود ہی کیوں نہ ہو اور اگر وہ موجود نہیں تو وہ بہتان ہو جائے گا غیبت کے بارے میں قرآن و حدیث دونوں میں ممانعت ہے کیونکہ اس میں دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے دنیا کا نقصان تو ظاہر ہے اور جھگڑا ہے جبکہ دین کا نقصان یہ ہے کہ قیامت کے دن غیبت کرنے والے کی نیکیاں اسکو مل جائیں گی جس کی غیبت کی جائیگی ایک طرح سے غیبت بھی حق العبد ہے کہ جب وہ معاف کرے گا تو معافی ملے گی ورنہ نہیں اور ہاں غیبت کرنے والے اور سننے والے دونوں گناہ گار ہوں گے مگر کچھ حالتوں میں خاص لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہو سکتا ہے مثلاً" کوئی مظلوم شخص ظالم کی شکایت کرنے افسر بالا تک پہنچائے اور اپنے کئے گئے ظلم کا ازالہ کرنے کی غرض سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں دوسرے یہ کہ کسی فتنہ سے بچانا ہو تو جائز ہے یا کسی شخص کو دوسرے بڑے نقصان سے بچانا ہو تو اس صورت میں حقیقت حال بیان کر دینا جائز ہے اور اگر کوئی کسی جسمانی عیب کی وجہ سے مشہور ہو گیا مثلاً" لنگڑا۔ اندھا وغیرہ تو اس کا پتہ بتانا گناہ نہیں ہے اگرچہ بہتر یہی ہے کہ دوسرے طریقہ سے بھی بتا دے ہماری زبان ہی سے پیدا ہونے والی ایک برائی اور گناہ دوسروں کی تضحیک اور مذاق اڑانا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

قرآن کریم میں حکم ہے کہ کوئی جماعت کسی جماعت کے ساتھ ٹھٹھا نہ کرے شائد وہ اللہ کے قریب اس سے بہتر ہوں کسی کی نشست و برخاست ' بولنے ہنسنے یا شکل وصورت اور قدو قامت کی نقل اتارنا کسی کی بات یا کام پر ہنسنا کسی اشارے کنائے سے دوسرے کے عیب کا اظہار کرنا یہ سب باتیں تضحیک اور تمسخر کے زمرے میں آتی ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ دوسروں کا مذاق اڑاتے ہیں آخرت میں جنت کا دروازہ کھولا جائے گا لیکن جب بمشکل تمام لوگ وہاں پہنچیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا اسی طرح برابر جنت کے دروازے کھولے اور بند کیے جاتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ مایوس ہو کر بیٹھ جائیں گے کچھ لوگ تمسخر اور مذاق میں فرق محسوس نہیں کرتے

حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے مزاح تو ہمارے نبی کریم ﷺ بھی فرمایا کرتے تھے لیکن اس انداز سے کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو اور ایسا مذاق جس سے دوسروں کی دل آزاری ہو وہ گناہ اسی طرح جو لوگوں کو مذاقا" یا فراحا" گالی گلوچ کی عادت ہوتی ہے وہ گناہ ہے حدیث شریف میں ہے کہ مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی دوسرے پر عیب لگائے جو اس میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ میں اس وقت تک روکے رکھے گا جب تک وہ اپنے کئے کی سزا بھگت نہ لے آنحضرت نے گالی کی طرح دوسروں پر لعنت ملامت کرنے سے بھی منع فرمایا ہے لیکن ہم اپنے معاشرے پر نظر ڈالیں تو کیا نظر آتا ہے ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے کے لئے گالی گلوچ ہوتی ہے جسکا نتیجہ مار پیٹ حتیٰ کہ قتل و غارت گری تک بات جا پہنچتی ہے لیکن مذاق میں گالی دینے کے نتائج بھی بعض اوقات اتنے بھیانک نکلتے ہیں کہ اللہ کی امان اسی زبان کی ایک اور لعنت جو لعنت ملامت اور گالی کی بظاہر تو ضد ہے لیکن نتائج و ثمر اس کے بھی کم مضر نہیں ہوتے حدیث ہے کہ مسلمان بھائی کی کند چھری سے ذبح کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اس کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے اس لئے کہ اس کی تعریف سن کر انسان کا نفس پھولتا ہے اور اعمال خیر ست پڑ جاتے ہیں اور وہ مغرور ہو کر اپنے آپ کو قابل تعریف سمجھنے لگتا ہے اور یہی اس کی تباہی و ہلاکی ہے اور کسی کی جھوٹی تعریف کرنا تو سراسر جھوٹ اور کبیرہ گناہ ہے ہمارے معاشرے میں اپنی غرض کے لئے اپنے غلط کام نکلوانے کے لئے جس طرح تعریف اور جھوٹی مداح سرائی سے کام لیا جاتا ہے اس کا اندازہ کس کو نہیں خوشامد ہماری زندگی کا روز مرہ کا حصہ ہے کہ اس سے بڑے بڑے کام نکالے جاتے ہیں لیکن جو کام آخر میں اٹک جائیں تو اس کا کیا کریں ہم نہیں سوچتے ہم نہیں سمجھتے اللہ ہمیں ان برائیوں سے بچائے اور ہمیں اپنے دین کا مکمل ضابطہ حیات سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

نومسلم کا تعارف

شیخ بشیر احمد شاد (پاکستان)

میں 1928ء میں ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں دھیان گالو کے ایک عیسائی خاندان میں پیدا ہوا۔ میرے والد متھیاس صاحب مشہور پادری تھے اور تبلیغی خدمات کے لئے میں اپنے آبائی ضلع گورداسپور سے شیخوپورہ میں منتقل ہو گئے تھے۔ میرے دادا مسمی جھنڈے مل بھی پختہ اعتقاد عیسائی تھے اور تبلیغی خدمات انجام دیتے تھے۔

میرے والد صاحب مجھے بھی ایک کامیاب مبلغ اور پادری بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ابتداء ہی سے میری تعلیم اور تربیت مذہبی نہج پر ہوئی۔ پرائمری تعلیم میں نے ایس ڈی اے مشن سکول چوہڑکانہ منڈی میں حاصل کی۔ یہاں شروع ہی سے کوشش کی جاتی تھی کہ ہر بچہ بڑا ہو کر اچھا مبلغ عیسائیت بن سکے۔ میں اپنی پڑھائی میں بڑا تیز تھا۔ سکول کے مذہبی کاموں کے علاوہ تبلیغی لٹریچر تقسیم کرنے والی پارٹیوں میں بھی شامل ہوتا۔ مجھے بچپن سے تقریریں کرنے اور تبلیغی خدمات انجام دینے کا بہت شوق تھا اور میرے اس شوق کو سارے اساتذہ اور پادری قدر اور شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

پرائمری کے بعد میں ایس ڈی اے مشن ہائی سکول رڑکی چلا گیا۔ وہاں بھی میری تعلیمی و تبلیغی کارکردگی نمایاں رہی۔ یہاں میں نے عیسائیت کے بنیادی اصولوں مثلاً "تثلیث، مسئلہ ابنیت مسیح، مسئلہ کفارہ، مسئلہ الوہیت مسیح اور الٰہیات کے بعض دیگر مسائل کی تربیت حاصل کی۔ اس سکول میں بھی عام اساتذہ میرے معاملے میں بہت خوش اور مطمئن تھے۔ انہیں بجا طور پر میری صورت میں مستقبل کا ایک کامیاب مبلغ اور پادری نظر آ رہا تھا۔

اسی اثنا میں میرے والد کا تبادلہ راولپنڈی ہو گیا اور اور ساتھ ہی وہ حادثہ رونما ہوا جس نے میری دنیا تاریک بنا دی یعنی 1944 میں میری والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا میرے والد صاحب نے دوسری شادی کر لی، تاہم ہماری نئی والدہ نے سارے بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ جاری رکھا اور آخر تک اس میں کوئی کمی نہ آئی۔

1947ء میں میرا تعلیمی اور تبلیغی کورس ختم ہو گیا اور میں نے اسی سال مسیحی کلیسا کے خادم کی حیثیت سے لاہور میں اپنی خدمات کا آغاز کیا۔ میں رومن کیتھولک مشن کے ساتھ وابستہ ہوا تھا۔ 1947ء کے اواخر میں میری شادی شرق پور کے ایک پروٹسٹنٹ پادری گھرانے میں ہوئی۔ میری بیوی ایک راسخ العقیدہ عیسائی خاتون تھی۔

تبلیغی میدان میں میرا انداز بڑا جارحانہ تھا، جہاں میں عیسائیت کو دین حق کے طور پر پیش کرتا وہاں اسلام سے اس کا مقابلہ بھی کرتا اور زور و شور کے ساتھ اسلام پر عیسائیت کی برتری ثابت کرتا۔ اس ضمن میں میری متعدد مسلمان علماء سے بحثیں ہوئیں۔ تاہم یہ بات عجیب ہے کہ دوران گفتگو میرے منہ سے عموماً" اسلامی تراکیب و اصطلاحات نکل جاتیں، جس پر میرے ساتھی مجھے ٹوکتے اور خود میں بھی شرمندہ ہو جاتا۔ مثلاً" الہامی کتب کا ذکر آتا تو میں بے ساختہ کہہ جاتا کہ الہامی کتابیں چار ہیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن پاک۔ خدا کے بجائے عموماً" اللہ کا اور حضرت مسیح کی بجائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ بول جاتا۔ عبادت کو نماز کہہ جاتا۔ وغیرہ۔

میری کلیسائی خدمت کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ مشنری حضرات جن کے ساتھ میں کام کرتا تھا اپنے وطن بلجیم چلے گئے میں نے ترقی دیہات کے سرکاری محکمہ میں شمولیت اختیار کر لی اور شیخوپورہ چلا گیا۔ خان انور طماسپ خان پی۔ سی۔ ایس ضلع شیخوپورہ کے ڈویلپمنٹ آفیسر تھے۔ انہوں نے خاص شفقت کا برتاؤ کیا اور دفتر ہی میں خدمت کا موقع عنایت فرمایا۔ چونکہ میرا نام مسلمانوں جیسا تھا اس لئے مجھے بعض احباب مسلمان سمجھتے مگر جب انہیں پتہ چلتا کہ میں عیسائی ہوں تب بھی ان کے سلوک میں کوئی فرق نہ آتا اور ان کا برتاؤ مہر و محبت میں گندھا ہوا تھا۔ خصوصاً" خان انور طماسپ صاحب، میاں غلام سرور، نواز رومانی صاحب اور چوہدری صفدر علی صاحب کا لطف و کرم مثالی نوعیت کا تھا۔ ان حضرات کی وجہ سے .... اسلام کے بارے میں میرے شکوک و شبہات دور ہونے لگے۔ میرے دل میں اسلام کے لئے نرم گوشہ پیدا ہوتا گیا۔ اور میرے دل کی دنیا ایک صالح انقلاب کی طرف مائل ہونے لگی۔

اسی دوران میں بلجیم والے مشنری واپس آ گئے اور مجھے دوبارہ تبلیغی خدمات انجام دینے کی دعوت دی مگر میں نے ان کے ساتھ کام کرنے سے انکار کر دیا اس ضمن میں میری بیوی باپ اور سسر نے بھی بہت زور دیا بلکہ خفگی اور برہمی کا مظاہرہ کیا مگر میں اپنی ضد پر قائم رہا۔

مسلمانوں کے اتنے قریب رہنے کے بعد اب مشنری خدمات انجام دینے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

لیکن 1959ء میں ترقی دیہات یا ویلج ایڈ کا محکمہ ختم ہو گیا تو تبلیغی خدمات انجام دینے کے لئے مجھ پر دوبارہ زور ڈالا گیا اور اس مرتبہ میں دیر تک مزاحمت نہ کر سکا تاہم یہ ارادہ ضرور کر لیا کہ عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہوئے اسلام پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔ بلکہ خدا نے موقع دیا تو اسلام کے خلاف ان تمام اعتراضات کو حقیقت و تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش جاری رکھوں گا۔

میری تبلیغی مہمات کا مرکز شیخوپورہ تھا۔ مگر ہفتے میں دو مرتبہ مسیحی بشارت کے لئے ضلع لاہور میں مدعو کیا جاتا۔ مجھے تبلیغی جو ہر ورثے میں ملے تھے۔ جنہیں میری محنت اور طباعی نے جلا عطا کی تھی۔ چنانچہ میں ہر قسم کی تقاریر خود ہی تیار کرتا۔ انجیل کے مختلف حصوں کو نظم کی صورت دیتا اور نہایت خوبصورت موثر آواز میں خود ہی پیش کرتا۔ ایک خوش الحان پادری کی حیثیت سے میں عوام کو گھنٹوں متوجہ رکھتا تھا میری مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بیشتر مقامی پادری میری نظمیں اور گیت الاپتے تھے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ اسلامی ماحول نے مجھ پر کچھ ایسا جادو کر دیا تھا کہ میں نے مسلمانوں میں اپنے حلقہ احباب کو قائم ہی نہیں رکھا بلکہ اسے وسعت بھی دی میری بیوی اس پر سخت برافروختہ ہوتی اور اپنے اور میرے والدین کو آگاہ کرتی رہتی کبھی جوش میں آکر گھر میں اسلام کی کوئی خوبی بیان کر دیتا تو گویا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا اور کئی روز تک فضا میں تلخی رہتی پھر بھی میں نے ہمت نہ ہاری اور اسلام کے بارے میں میرا تجسّس آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔

1961ء میں ایک مرتبہ میں اپنے والدین کو ملنے لاہور گیا والد صاحب کے پاس کرسچن کونسل لٹریچر بورڈ کے سیکرٹری مسٹر پی جے ایکٹن بیٹھے ہوئے تھے انہیں معلوم ہوا کہ میں سابقہ ویلج ایڈ رہوں اور فیلڈ کے تجربہ کے علاوہ لکھنے بولنے اور گانے میں بھی ماہر ہوں تو انہوں نے میری خدمات حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور ایک چٹھی دے کر گوجرانوالہ میں مسٹر پال ای ہو سٹیٹر کے پاس بھیجا۔ سٹیٹر پاکستان میں مسیحی تعلیم بالغاں کے پروگرام کے ڈائریکٹر تھے۔ اس پروگرام کے چلانے کے لئے انہیں ایک موٹی ویٹر کی ضرورت تھی۔

مسٹر سٹیٹر ماہر نفسیات و لسانیات تھے انہوں نے بخوشی میری تقرری کر دی اور میں گوجرانوالہ منتقل ہو گیا۔ میری بیوی بچے بھی مشن کمپاؤنڈ کھوکھری گوجرانوالہ آگئے۔

تعلیم بالغاں کا یہ پروجیکٹ جو ویسٹ پاکستان کرسچن کونسل کی طرف سے شروع ہوا اس کی تمام مالی امداد نیویارک سے آتی تھی اس کے حسب ذیل چار شعبے تھے۔

1۔ ریسرچ اینڈ پبلی کیشن (تحقیق واشاعت)

2۔ علمی تربیتی کورس برائے اساتذہ سپروائزر وغیرہ

3۔ مسیحی علمی لٹریچر کی تقسیم وفروخت۔

4۔ تبلیغ وترغیب۔ پبلسٹی وغیرہ

ان چاروں شعبوں کا بیشتر بوجھ میرے کندھوں پر ڈالا گیا اور میں پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ اس کام میں جٹ گیا۔ میں نے فرائض کی ادائیگی میں دن دیکھا نہ رات ,چنانچہ اس علاقے کا ہر عیسائی اس امر کی گواہی دے گا کہ میں نے علمی ,تعلیمی اور تبلیغی خدمات کس تندہی سے انجام دیں۔ ان فرائض کے سلسلہ میں تقریبا" پاکستان کے ہر بڑے شہر اور قصبے میں جانا پڑتا تھا۔ میری یہ خدمات اتنی وقیع تھیں کہ مسٹر پال ای ہوسٹیٹر نے مجھے ہر طرح کی سہولیات فراہم کر دی تھیں۔ سفر میں مجھے سکنڈ کلاس کی سہولت حاصل تھی اگر گھر سے باہر کہیں رات بسر کرنا پڑتی تو تمام راتوں کا الاؤنس دس روپے فی رات ملتا تھا۔ دیگر اخراجات سفر بھی ادارہ کے ذمہ ہوتے۔ تنخواہ تقریبا" چھ سو روپے ماہوار تھی اوور ٹائم اس کے علاوہ تھا ,بچوں کے تعلیمی وظائف ایک سپیشل فنڈ سے ادا ہوتے۔

میڈیکل الاؤنس بھی اس میں سے ملتا ہر کرسمس پر ڈیڑھ سو روپے الگ ملتے۔ گرمیوں کی تعطیلات میں ایک ماہ کی تنخواہ زیادہ ملتی گندم خریدنے کے لئے پانچ سو روپے کا قرضہ ملتا۔ میری ہر کتاب پر تین سو روپے کی رائلٹی ملتی یہاں تک کہ بیس ہزار روپے میں میرا حادثاتی بیمہ بھی کرا دیا گیا تھا تاکہ میری ناگہانی موت کے بعد میرے بیوی بچے بے سہارا نہ رہیں۔

یہ ساری سہولتیں میسر تھیں لیکن قلبی سکون نہ تھا میں اپنے آپ کو اندھیروں میں بھٹکتا ہوا محسوس کرتا تھا صاف نظر آتا تھا کہ میں لوگوں میں بزعم خویش حق کی تعلیم دیتا تھا , حالانکہ خود جہالت کی تاریکیوں میں سرگرداں تھا اور عوام کو روشنی کی طرف بلاتا تھا جب کہ خود نور کی ایک کرن کے لئے ترس رہا تھا تبلیغی و علمی خدمات کے دوران میں یہ احساس مجھے متواتر تنگ کرتا رہتا میں اپنے عہد کے مطابق اسلام پر کوئی اعتراض تو نہ کرتا تھا مگر یہ خیال ذہن میں کچوکے لگاتا رہتا کہ میں عیسائیت کی تبلیغ کرکے اپنے آپ کو اور دنیا کو دھوکا دے رہا ہوں ,

خصوصاً" دو سوال تو روح کی پھانس بن گئے اور میں ان کے بارے میں اکثر سوچتا رہتا۔

1۔ اگر عیسائیت ایک سچا مذہب ہے اور اسی کی تقلید پر ایمان کا دارومدار ہے تو یہ مذہب زوال کی طرف کیوں جا رہا ہے؟ حالانکہ کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد محبت و اخلاق پر ہے۔

2۔ اس کے برعکس ہر عیسائی اسلام کو جھوٹا خیال کرتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد ظلم و تشدد اور تلوار پر قائم ہے پھر یہ اس قدر ترقی کیوں کر گیا؟ جبکہ ظلم و تشدد انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

انہی دو بنیادی مسائل کا تقابل مجھے راہ تجسّس پر دور تک کھینچتا چلا گیا اور میں ذہنی و قلبی اضطراب کو لئے ہوئے تلاش حق کے لئے ادھر ادھر سرگرداں رہا۔ علماء کرام سے اعتراضات کی صورت میں گفتگو کا ایک ہی مقصد ہوتا اور علمی و تحقیقی طلب و جستجو کا ایک ہی مدعا تھا۔ یعنی دل کی اس خلش کا علاج جو متذکرہ بالا مسائل نے پیدا کردی تھی تجسّس کی یہ مدت دس سال کے عرصے پر محیط ہوگئی۔ الحمدللہ اندھیرے کے پردے ایک ایک کر کے نگاہوں سے ہٹتے چلے گئے ذہن کے سارے شکوک دور ہوگئے اسلام ایک روشن جگمگاتا ہوا سورج بن کر میرے سامنے آگیا اور اب اس سے انکار کرنا ممکن نہ رہا چنانچہ 23 جون 1968ء کا مبارک دن تھا جب کہ میں اپنے دس افراد خانہ کے ساتھ گوجرانوالہ کی مکی مسجد میں گیا اور مولانا محمد یوسف کاشمیری کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔

(الحمدللہ تعالیٰ)

یہاں پر ایک دردناک حادثے کا ذکر بہت ضروری ہے میں روحانی سکون کی تلاش کے آخری مراحل طے کر رہا تھا کہ میری دیرینہ رفیقہ حیات ایک بیماری کے بعد فوت ہوگئی میں نے دوسری شادی کرلی اور اس خدا کی بندی سے جونہی میں نے اسلام کی بات کی اس نے اس کی تائید کی اور تلاش حق کے سلسلہ میں میری سرگرم موید و مونس بن گئی۔ اللہ اسے جزائے خیر عطا کرے۔ آخر میں، میں نہایت اختصار کے ساتھ اسلام اور عیسائیت کے ان عقائد کا تجزیہ پیش کرتا ہوں جنہوں نے ایک عرصے تک مجھے تحقیق و تجسّس کے میدان میں محو سفر رکھا۔

سب سے پہلے مجھے تثلیث کے مسئلے نے پریشان کیا۔ عیسائی عقیدے کے مطابق ایک خدا میں تین اقانیم ہیں 1۔ یعنی باپ بیٹا اور روح پاک جسے وہ انسان کے جسم میں تین چیزوں میری سمجھ، میری یاد اور میری مرضی سے بھی تشبیہ دیتے ہیں وہ تثلیث کا بہت بڑا بھید بھی کہتے

ہیں جو انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتا میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ عیسائی لوگ پہلے ایک خدا کہہ کر توحید کا اقرار کرتے ہیں مگر مانتے تثلیث کو ہیں کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔

پھر یہ بات بھی پریشان کن تھی کہ تثلیث کا بھید انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتا جو چیز شعور کے احاطے میں نہ آسکے اس پر عمل کی عمارت کیسے کھڑی ہو سکتی ہے اس کے برعکس زمین و آسمان کائنات زمین و آسمان کا سارا نظام پکار پکار کر گواہی دیتا ہے کہ خالق حقیقی وحدہ. لاشریک ہے یعنی توحید کا تصور عام فہم ہے اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے تمام الہامی کتابیں بھی اس کی شہادت دیتی ہیں مثال کے طور پر۔

تورات خروج آیت۔ 22/20 جو کوئی واحد خدا کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے گا وہ نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

سلاطین آیت 8/10 خداوند ہی خدا ہے اس کی مانند اور کوئی نہیں۔

زبور۔ آیت 86/10 تو ہی بزرگ ہے تو ہی واحد خدا ہے۔

انجیل۔ متی آیت 19/17 تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے کیونکہ نیک تو ایک ہی ہے۔

چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ میں تثلیث کے غیر عقلی عقیدے سے منحرف ہو گیا اور توحید پر ایمان لے آیا۔

عیسائیت میں قرآن پاک کو الہامی کتاب نہیں مانا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ قرآن دراصل تورات. زبور اور انجیل کی نقل ہے۔ چنانچہ توحید کے بعد مجھے ایسے دلائل مطلوب تھے جو قرآن پاک کو آسمانی ثابت کر دیں۔ شکر ہے کہ تحقیق نے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔

رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں مسیحی فرقوں کی بائبلوں میں زبردست تضاد ہے لطف کی بات یہ ہے کہ دونوں فرقے ایک دوسرے کی کتابوں کو غلط کہتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے الہامی ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر رومن کیتھولک کی بائبل میں عہد عتیق (پرانے عہد نامے) کے صحیفوں کی تعداد 46 ہے اور عہد جدید یا نئے عہد نامے کی تعداد 28 ہے یعنی کل 74 ہے جبکہ پروٹسٹنٹ میں. عہد عتیق اور عہد جدید کے صحیفوں کی بالترتیب تعداد 39 اور 27 ہے جو 66 بنتی ہے بائبلوں میں تضاد ہونے کے علاوہ ان کی آیات میں بھی تضاد ہے چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

پیدائش 3/9 آیت میں ہے کہ "خدا غیب کا علم نہیں رکھتا"

متی 24/36 میں مرقوم ہے کہ "خدا کو غیب کا علم ہے اور اس کے سوا کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا" مجھے تحقیق کے باوجود آج تک کوئی بائبل کا حافظ نہیں ملا چنانچہ اگر دنیا بھر سے بائبل کے نسخے نابود ہو جائیں تو بائبل کا وجود ختم ہو جائے گا جبکہ یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ قرآن نہ صرف ہر نوع کے تضاد یا تحریف سے پاک ہے بلکہ لاکھوں حفاظ کے سینوں میں محفوظ بھی ہے اور صدیاں گذر جانے کے باوجود اس کے زیر زبر میں بھی فرق نہیں پڑا بائبل کا متن پکار پکار کر کہتا ہے کہ یہ تغیر و تبدل کے بہت سے مراحل سے گذرا ہے۔ مگر قرآن کے بارے میں ایسی کوئی بات ثابت نہیں کی جاسکتی۔ محکم اور اٹل دلائل نے میرا ایمان قرآن پر بھی راسخ کر دیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ فی الواقع یہ خدائے تعالیٰ کا کلام پاک ہے۔

بچپن سے سنتا چلا آرہا تھا کہ اسلام ظلم و تشدد کا علمبردار ہے اور یہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے جبکہ عیسائیت محبت و اخلاق سے ہی پھیلی ہے۔ اس میں کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کی جاتی۔

مگر پیدائشی مسیحی ہوتے ہوئے بھی یہ بات میرے مشاہدے میں آتی رہی کہ برصغیر میں انگریزوں کے آنے کے بعد لوگ پیار و محبت سے عیسائی نہیں ہوئے بلکہ انہیں دنیوی لالچ دے کر عیسائی بنایا گیا اور روحانی سکون کی طرف کھنچنے کی بجائے انہیں دنیاوی عیش و آرام کی طرف اکسایا جاتا تھا۔ چنانچہ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ پاک و ہند میں جتنے لوگ بھی عیسائی ہوئے وہ کسی نہ کسی دنیاوی مفاد اور مادی لالچ میں گرفتار ہوئے۔

پھر یہ بات بھی میرے تجربے میں آئی کہ غیر ملکی مشنری امریکہ اور یورپ سے بھاری رقمیں منگاتے تو عیسائیوں کی امداد کے نام پر ہیں مگر وہ خرچ اپنی ذات پر کرتے ہیں انہیں کالے عیسائیوں سے کوئی محبت نہیں ہوتی۔ وہ اس کو کاروبار سمجھتے ہیں۔ اور تبلیغ کے نام پر خود گلچھڑے اڑاتے ہیں۔ بلکہ یورپ کی طاقتوں نے خصوصاً اسلام کو ختم کرنے کے لئے بڑے ظلم اور دھونس اور دھاندلی سے بھی گریز نہیں کیا۔

اس کے برخلاف مجھے یاد نہیں کہ پاکستان میں کسی غیر مسلم کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا گیا ہو۔ یہی عالم دوسری اسلامی دنیا کا ہے۔ ہندوستان میں صدیوں تک مسلمان حکمران رہے مگر ہندو آخر تک اکثریت میں رہے اور آزادی سے اپنے مذہب پر عمل کرتے رہے۔ انڈونیشیا اور ملائیشیا میں کبھی اسلامی فوجیں گئی ہی نہیں مگر وہ اکثریتی مسلم ممالک ہیں۔ تلوار یا تو دفاع کے لئے

ہے یا ظالم انسان دشمن قوتوں کے لئے ورنہ نبی اسلام حضرت محمد ﷺ کی زندگی سے لے کر ساری اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ رحم و کرم، محبت و شفقت اور انسانی ہمدردی کا بے نظیر مرقع ہے اور اس پر تشدد کا الزام جھوٹ اور بہتان کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت محمد ﷺ کی شادیوں کو عیسائی خوب اچھالتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی برسوں تک ایک پادری کی حیثیت سے اس امر کو اعتراض کی صورت دے کر پھیلاتا رہا، مگر تحقیق کی اور خدا نے میری آنکھیں کھول دیں تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی ہر بات میں حکمت پوشیدہ تھی۔ انہوں نے جتنی بھی شادیاں کیں ان سب کے پس پردہ کسی نہ کسی جاہلی رسم کی تردید یا اسلامی تعلیم کی اشاعت کا مقصد ہوتا تھا۔ پھر تاریخ بتاتی ہے کہ کئی نبیوں نے بیک وقت بہت سی شادیاں کیں۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی عورتوں سے متنفر نہ تھے اور کسی پیغمبر کو شادی کرنے سے نہیں روکا گیا۔

عیسائیوں کی طرف سے عام اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسلمان ایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں۔ میں نے غور کیا کہ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو نبی ﷺ کے طریقے پر عمل کرتے ہیں مگر عیسائی ایک شادی کر کے بھی اپنے نبی کی سنت کی خلاف ورزی کرتے ہیں حضرت عیسیٰ نے سرے سے شادی کی ہی نہیں تھی۔ پھر ایک شادی کرنا اور بیک وقت بہت سی عورتوں کے ساتھ ناجائز مراسم کرنا آخر کہاں کی شرافت اور دیانت ہے اور یہ سب کچھ کون سی تعلیم کے تحت کیا جاتا ہے؟

دین اسلام کے جس پہلو نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ مساوات کی تعلیم ہے۔ حلقہ اسلام میں بلا امتیاز سب مسلمان برابر ہیں، فضیلت ہے تو صرف نیکی کی، پارسائی اور تقویٰ و پرہیز گاری کی۔ مساجد میں حاکم و محکوم، گورے کالے، امیر غریب سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ یہاں عیسائیوں کی مانند گوروں اور کالوں کے گرجے الگ الگ نہیں ہوتے امیر لوگ عبادت کے وقت کرسیوں پر نہیں بیٹھتے نہ غریب اور ناخواندہ لوگ فرش پر بیٹھتے ہیں۔ بلکہ یہاں تمام کی حیثیت برابر اور یکساں ہے اسلام مساوات اور احترام انسانیت کا مذہب ہے اور جس دین میں مساوات ہے وہی دین حق ہے۔

بشکریہ "ہم مسلمان کیوں ہوئے" انتخاب محمد یونس ہاشمی گکھڑ

تصوف اسلام حقیقت کے آئینہ میں

عبدالقیوم ہاشمی

حصہ دوم

پچھلے شمارہ میں اس موضوع پر بحث ہوئی تھی کہ تصوف اسلام کا ایک ناگزیر حصہ ہے اس ضمن میں انصاف پسند مغربی مفکرین کے اقوال سے یہ بھی ثابت کیا گیا تھا کہ تصوف اسلامی اپنی خاص پہچان اور تشخص ہمیشہ ہی سے قائم رکھے ہوئے ہے اس مضمون میں ان خاص خاص الزامات کے جوابات بیان کیے جائیں گے جو مغربی مفکرین نے تصوف اسلام پہ عائد کیے ہیں آخر میں مشہور غیر مسلم صوفیا کے متعلق یہ بیان کیا جائے گا کہ انہوں نے روحانی تربیت کہاں سے حاصل کی۔

مستشرقین کا یہ الزام ہے کہ تصوف کے معاملہ میں اسلام نے عیسائی تصوف سے عشق و محبت کا تصور چرایا ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضور کے زمانہ میں اسلام محض زہد و تقوی تک ہی محدود تھا یہ مسلمانوں میں اللہ سے محبت اور عشق کا تعلق عیسائی تصوف کا مرہون منت ہے اگر مستشرقین انصاف پسندی کا مظاہرہ کرتے تو یقیناً" یہ الزامات ہرگز نہ لگاتے مگر تعصب کے چشمہ سے کبھی بھی حقیقت دکھائی نہیں دے سکتی مذہب اسلام کی تو بنیاد ہی محبت پہ ہے قرآن و احادیث اللہ سے محبت کے ذکر سے لبریز ہیں بلکہ تمام عقائد و اعمال کا مرکز بھی اللہ کی ذات سے محبت ہی کو دیا جاتا ہے غالباً" ان مستشرقین نے قرآن و احادیث کا مطالعہ ہی نہیں کیا اور ذاتی مطالعہ کے بل بوتے پر اسلامی تصوف پر الزامات دھرنے اور تحقیق سے خالی باتیں کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے اب قرآن و حدیث سے اللہ سے محبت سے متعلقہ چند مثالیں دیکھئے مثلاً" قرآن میں ہے

والذین امنوا اشد حبا للہ

ترجمہ "جو ایمان والے ہیں وہ شدت کے ساتھ اللہ سے محبت کرتے ہیں" شدت

سے محبت کرنے کا مطلب عشق ہوتا ہے جو اسلام ہی کا خاصہ ہے ۔

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

ترجمہ "اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا" حضور ﷺ اکثر یہ ارشاد فرماتے تھے جان لو جس کے دل میں محبت نہیں وہ مسلمان نہیں ۔ انہی آیات اور احادیث کی روشنی میں تمام مومن اور صوفیا کرام نے عشق الہی کا درس دیا انہوں نے جب عشق کی بات کی تو عین اسلام اور قرآن کی تعلیمات کے مطابق تھی اور ان سے اللہ کی محبت نبی کریم ﷺ کی پیروی سے مشروط تھی اور اب بھی ہے مثلاً" حضرت اویس قرنیؒ کا اپنے دانتوں کو توڑنا اسی لئے تھا کہ وہ عشق الہی کا تصورؒ رسول کریم ﷺ کی اتباع سے الگ نہ سمجھتے تھے حضرت بایزید بسطامی نے صرف اس وجہ سے ساری عمر خربوزہ نہ چکھا کیونکہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے خربوزہ کسی طریقہ سے کھایا تھا حضرت جنید بغدادیؒ کے ہاں ایک شخص ٹھہرا جب اس نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ نے اس کی آمد کا مقصد پوچھا اس نے کہا میں تو آپ کی بزرگی کا سن کر آپکی کرامات دیکھنے آیا تھا مگر مجھے مایوس ہونا پڑا ہے حضرت جنیدؒ نے فرمایا کیا تمھیں مجھ میں اتباع رسول ﷺ کے سلسلہ میں کہیں کوئی کمی بیشی نظر آئی ہے تو اس نے کہا بالکل نہیں تو آپ نے فرمایا جاؤ یہی ہماری کرامت ہے یہ سب اعمال و افعال اللہ اور اللہ کے رسول سے عشق و محبت کا نتیجہ ہے تمام اولیائے اسلام نے ہمیشہ خالص توحید کی تعلیم دی اور یہ فکر و عمل اسلامی تعلیمات سے حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ دیگر تمام مذاہب خالص توحید سے عاری ہیں اتے الزامات لگاتے ہوئے ان مستشرقین نے قرآن پاک کو بالکل نہیں سمجھا ڈاکٹر نکلسن کو بھی آخر عمر میں تصوف کو اسلام سے ہی جوڑنا پڑا وہ شروع میں تصوف پر عیسائی اثرات کے زبردست حامی تھے اپنی کتاب "Idea of Personalily of God is Islam" میں لکھتے ہیں علاوہ اس بات کے کہ تصوف کی ہر چیز کی جڑ قرآن اور سنت ہے اور جب تک قرآن اور سنت کو نہ سمجھا جائے تصوف کو ہم نہیں سمجھ سکتے کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں اس عقیدے (یعنی تصوف) کے بغیر اسلام کی ساری

تاریخ اس قدر شاندار نہ ہوتی جیسی کہ اب ہے "

والٹر سٹیس (WALTER STACE) اس بات کا اقرار مختلف انداز میں یوں کرتے ہیں ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں مسٹی سزم کا عیسائی مذہب سے بنیادی طور پر کوئی تعلق نہیں روحانی تعلیمات عیسائیت کا حصہ نہیں ہیں مسٹی سزم عیسائی مذہب میں بعد میں داخل ہوا

پروفیسر آر بڑی (PROF ARBERY) نے اسلامی تصوف کا عمیق مطالعہ کیا ہے اور اسے سمجھنے کے لئے اسلامی ذخائر علم سے بھی استفادہ حاصل کیا ہے کہتے ہیں "مختلف مذاہب کے روحانی نظریات میں بہت ایسا جال ہے کہ اس میں سب پھنس جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مشابہت کی بنا پر تصوف کی تاریخ مرتب کرنا بے کار ہے ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ فی الحال ان تمام قیاس آرائیوں کو ختم کر کے کم از کم ایک نسل تک ہم سب کو اس بات پر متفق ہو جانا چاہیے کہ اگر تصوف کی تاریخ مرتب کرنا مطلوب ہے تو ہمیں تصوف سے متعلق اسلامی اور صرف اسلامی ذرائع اور وسائل پر بھروسہ کرنا ہو گا"

ولیم سٹوڈارڈ (William Stodard) کا شمار منصف مزاج مصنفین میں ہوتا ہے اپنی کتاب صوفی ازم میں لکھتے ہیں اسلام کے بغیر کوئی تصوف نہیں ۔ تصوف اسلام روح اور جان کی حیثیت رکھتا ہے روحانیت ہر مذہب کی جان ہے جسم کو جان سے جدا کرنا ایسا ظلم ہے کہ جس سے وہ زندہ نہیں رہ سکتا ماضی قریب میں اسلامی کو تصوف جو جسقدر مغربی دنیا میں اس ظلم سے نقصان پہنچا ہے. کسی اور چیز کو نہیں پہنچا آج کچھ لوگ لکھتے ہیں کہ تصوف کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے گویا وہ یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ انسان روح کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے "

انگلینڈ کے مشہور پادری ڈی بی میکڈانلڈ (D.B Macdonald) جنہوں نے تصوف کا گہرا مطالعہ کیا اوائل عمر میں تصوف کو عیسائی اور نوافلد طونیت کا مرہون منت قرار دیتے ہیں لیکن تحقیق کے بعد ان کو اپنی سوچ کو بدلنا پڑا اپنی کتاب (Aspects of Islam) میں لکھتے ہیں

"اب مجھے تصوف کی اصل کے متعلق کچھ کہنا ہے اسلام کی ہر بات کی طرح تصوف

کا تخم محمد ﷺ کے دل میں تھا۔ میرے نزدیک محمد ﷺ کی عظمت کا ثبوت اسلام کی عظمت ہے قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر تصوف کی ہر چیز موجود ہے قرآن میں ایسی آیات بھی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ محمد ﷺ پکے صوفی تھے جو حقیت کے بے کراں میں بغیر کسی ظاہری راہ دکھانے والے اور نشان دہی کرنے کے آسانی سے سفر کر رہے تھے" عیسائی حضرات ہر بات میں نبی کریم ﷺ کا موازنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے کرتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی محرک فعال اور نسل انسانی پہ دور رس اثرات مرتب کرتی ہے اور ایسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں نہیں پاتے تو یہ کہہ کر پیچھا چھڑاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مجاہدانہ جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی تصوفانہ رنگ رکھتی ہے اور برتری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی پیغمبرانہ تھی اور مدنی زندگی بادشاہت میں بدل گئی تھی حالانکہ یہ تمام الزامات حقیقت پر مبنی نہیں ہیں آنحضور ﷺ کو قریش مکہ نے مکہ میں ہی بادشاہت کی آفر کی تھی مگر آپ ﷺ نے نہ صرف ہر قسم کے لالچ ٹھکرا دیئے بلکہ انسانوں پہ اللہ کی حاکمیت بھی قائم کر دکھائی آپ ﷺ نے اس مشن کی تکمیل کے لیے مدینہ ہجرت کی اور ناقابل برداشت تکالیف کا برضا و خوشی سے سامنا کیا آپ ﷺ کو شہر مکہ سے بے حد پیار تھا مگر آپ ﷺ نے اللہ کی خاطر اسے بھی چھوڑ دیا نبی کریم ﷺ جب مکہ سے ہجرت کرنے لگے تو آپ ﷺ نے ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر فرمایا "کہ اے مکہ! تو مجھے ساری دنیا سے پیارا ہے لیکن اللہ کے دین کے لئے میں تجھے چھوڑ رہا ہوں کہ یہاں کے رہنے والے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک خاص وقت، مخصوص علاقہ اور قوم کے لئے مبعوث کئے گئے تھے وہاں کی اکثریت دولت و دنیاوی نعمتوں کے حصول کو اپنا نصب العین سمجھتی تھی اس لئے آپ علیہ السلام نے اپنی قوم میں توحید اور آخرت کے عقیدہ کو مضبوط بنیادوں پہ استوار کرنے کے لئے اور حد اعتدال قائم کرنے کی خاطر مدار وعظ و

نصیحت انہی امور کی مذمت پہ رکھا۔ اس کا عیسائیوں نے یہ مطلب لیا کہ غالبا" معشیت و معاشرت سیاست و قیادت شادی بیاہ ار دنیاوی نعمتوں کا حصول وغیرہ سب دنیاداری کے کام ہیں اس طرح دین و دنیا میں فرق پیدا کر دیا کیونکہ آنحضرت ﷺ پوری انسانیت کے لئے مبعوث کئے گئے اس لئے آپ نے نہ صرف روحانیت بلکہ دنیاوی امور میں بھی انسانوں کی مکمل راہنمائی فرمائی اور اس باطل نظریے کو ختم کیا کہ دنیا کے امور دین سے جدا ہیں یہی فرق ہے جسے عیسائی دنیا سمجھنے سے قاصر رہی اور بالاخر یہ سمجھنے لگی کہ آنحضرت ﷺ مجاہدانہ اور عیسیٰ علیہ السلام صوفیانہ حیات کے مالک تھے نبی کریم ﷺ وہ ذات مقدس ہیں جنھوں نے دنیاوی نعمتیں اور قوتیں حاصل کرنے کے باوجود اللہ سے تعلق میں کمال پیدا کر دکھایا اور اس بات کو عیسائی لوگ نہ سمجھ سکے۔ ڈاکٹر نکلسن نے اس حقیقت کا برملہ اظہار کیا ہے لکھتے ہیں "صوفیا کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت مجھ پر بھی منکشف ہو چکی ہے کہ قرآن و حدیث کی دوہری بنیاد کے بغیر نہ تصوف کی یہ خوبصورت اور عالی شان عمارت تعمیر ہو سکتی ہے نہ قائم رہ سکتی ہے جس فقر کو پیغمبر اسلام نے اپنا فخر قرار دیا وہ دراصل روحانی فقر تھا جس کی وجہ سے آپ خدا کے سوا سب کچھ ترک کر سکتے تھے اس فقر کا ظاہری نشان یہ تھا کہ آپ کو مادی دنیا سے کوئی رغبت نہ تھی" اس طرح صحابہ کرام اور اولیائے اسلام کی زندگیاں بھی سنت رسول ﷺ پر مبنی تھیں اور دنیا و آخرت کی نعمتوں کی طلب سے ماورا تھیں

لہٰذا ترک دنیا دنیا کی نعمتوں سے منہ موڑنا نہیں بلکہ یہ ہے کہ تمام نعمتوں سے فوائد حاصل کرنے کے باوجود ان سے دل نہ لگائے صرف اللہ کی رضا اور دید اصل مقصود ہو بقول علامہ اقبال"

کمال ترک نہیں آب و گل سے مہجوری
کمال ترک ہے تسخیر خاکی و نوری

مستشرقین عیسائی تصوف کے اسلامی تصوف پہ اثرات میں ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے دوسری صدی ہجری یا زیادہ سے زیادہ تیسری صدی ہجری

تک معروف صوفیائے اسلام سے اس کثرت سے کشف و کرامات کا ظہور نہیں ہوا جس طرح بعد میں صوفیاء سے سرزد ہوئیں مخالفین کا خیال ہے کہ موخر الذکر صوفیائے اسلام سے کثرت سے کشف و کرامات کا اظہار عیسائی تصوف کے اثرات کا نتیجہ ہے بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اپنی تصنیف "تعمیر ملت" میں کشف و کرامات کی اسلامی تصوف میں وقعت اور بعد کے صوفیائے اسلام کا کثرت سے کشف و کرامات دکھانے کا سبب اس طرح بیان فرماتے ہیں "غیر مسلم فقیروں کی انتہائی معراج عملی سلوک کے صرف اس مقام تک ہے جسے اصطلاح تصوف میں ہو کہتے ہیں اور جہاں عالم مثال ختم ہوتا ہے لیکن مسلمان اولیاء اللہ کی پرواز اس سے بہت آگے ہے عالم امر کے دوسرے طبقات حتیٰ کہ عرش کبریا تک ہے جہاں ان کو ذات باری تعالیٰ کا صحیح عرفان حاصل ہوتا ہے اور توحید خالص کے معنی سمجھ میں آتے ہیں علاوہ ازیں غیر مسلم اقوام کے تصوف کی انتہا صرف کرامات دکھانا ہے جس سے بنی نوع انسان کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا اور ہوتا بھی ہے تو بہت معمولی ہاں کرامات دکھانے والوں کو البتہ یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ عوام میں مشہور ہو جاتے ہیں اور خوب پجتے ہیں۔ لیکن عوام کو اس سے یہ نقصان پہنچتا ہے کہ وہ صراط مستقیم سے ہٹ جاتے ہیں اور خدا کو بھول کر ان کراماتیوں کی پرستش کرنے لگتے ہیں اس لئے اسلامی تصوف کا مقصد کرامات دکھانا نہیں بلکہ آدمی میں ایمان کامل پیدا کر کے اس کو انسان بنانا اور اس تعلیم الٰہی پر چلانا ہے جس پر چل کر پوری نوع انسانی دین و دنیا دونوں کی فلاح حاصل کر سکتی ہے اس بات سے ظاہر ہو جائے گا کہ اسلامی تصوف کا دائرہ افادیت کتنا وسیع اور کس قدر عالمگیر ہے یہاں آپ کے دل میں پھر یہ سوال پیدا ہو گا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر ہمارے بڑے بڑے اولیاء اللہ نے کرامتیں کیوں دکھائیں جواب یہ ہے کہ انہوں نے کرامتیں مسلمانوں کو ہرگز نہیں دکھائیں بلکہ غیر مسلموں کو دکھائیں تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ قوتیں صرف انہی کے جوگیوں اور راہبوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ مسلمان بزرگوں میں بدرجہ اولی موجود ہیں" (صفحہ 82 83) اب ہم بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تصنیف "چراغ

راہ" جو آپ کے سالانہ خطبات پہ مشتمل ہے اس کے تیسرے سالانہ خطبہ سے کچھ حصہ درج کرتے ہیں جس سے اسلامی تصوف میں کشف و کرامات کی اہمیت و وقعت اور مسلم اور غیر مسلم میں کشف و کرامات کا فرق مزید واضح ہو جائیگا۔

"ابتدائے سلوک ہی سے صوفیائے کرام کا مقصود اللہ تک رسائی ہوتا ہے کرامتوں کی قوت پیدا کرنا نہیں ہوتا۔ یہ ساری طاقتیں تو ان کو سلوک طے کرتے ہوئے خود بخود مل جاتی ہیں۔ اس لئے ان کے دل میں ان کی کوئی قدر بھی نہی ہوتی دوسری بات یہ ہے کہ جب یہ طاقتیں ان میں پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ اگر ان کے کرشمے دیکھنے دکھانے ہی میں لگ جائیں تو اللہ تک نہیں پہنچ سکتے اور جب وہ اللہ تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر یہی طاقتیں اور کرامات ان کو بچوں کا کھیل نظر آتی ہیں ان کو تو وہ کچھ ملتا ہے جس کے مقابلہ میں یہ چیزیں اتنی بھی وقعت نہیں رکھتیں جتنی ایک گھاس کا تنکا

وحدۃ الوجود کے متعلق بھی معترضین اسلامی تصوف پر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے ہیں کیونکہ یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اور روحانی مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا اس عقیدہ کی حقیقت جاننے کے لئے اہل ذوق حضرات ہمارے مرشد خواجہ عبدالحکیم انصاری کی تصنیف "حقیقت وحدت الوجود" کا مطالعہ فرمائیں اس مختصر مضمون میں اسکی تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی۔" (صفحہ 85 86)

اسلام دین فطرت ہے اور سوشل زندگی کا علمبردار دین ہے جہاں تک خانقاہی نظام کا تعلق ہے اس پر تو سب اعتراض کرتے ہیں مگر مسلمانوں میں خانقاہی نظام کی بنیاد جن وجوہات پر قائم ہوئی اس پہ غور نہیں کیا جاتا۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب اسلامی دنیا میں خلافت کی جگہ بادشاہت نے لے لی اور بادشاہوں اور امیروں میں عیاشی اور بے دینی کا دور دورہ ہوا تو اہل اللہ نے ان لوگوں سے الگ ہو کر خانقاہیں آباد کیں وہاں فارغ نہیں بیٹھے بلکہ لوگوں کے اخلاق کی اصلاح برابر کرتے رہے وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ ایک واقعہ نبی کریم ﷺ کی ذات سے متعلقہ ہے اس کی بابت بھی معترضین شر انگیزی کرتے ہی رہتے ہیں ابن صیاد ایک یہودی مغلوب الحال نوجوان تھا اور نبی کریم

ﷺ نے اس کی مجذوبانہ باتوں کو چھپ کر سننے کی کوشش بھی فرمائی مخالفین اسلام نے اس بات سے نبی کریم ﷺ کا بے حد مذاق اڑایا۔

اس صورت حال کو حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبات میں تفصیل سے درج فرمایا ہے "آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے نفسی مظاہر کو تحقیق و تنقید کی نگاہوں سے دیکھا---------- یہ واقعہ جن اصحاب نے نقل کیا ہے اپنے معصومانہ انداز میں بیان کر گئے اور اس تاریخ اسلام کے پہلے نفسی واقعہ کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے بعینہ پروفیسر میکڈانلڈ سے بھی جو معلوم ہوتا ہے اس حقیقت سے بالکل بے خبر تھے کہ شعور نبوت اور شعور ولایت کا اساسی فرق کیا ہوتا ہے اس واقعہ سے بڑا لطف اٹھایا حالانکہ اگر پروفیسر کو منشائے قرآنی کا علم ہوتا تو وہ سمجھتے کہ اس امر کا اصل سبب کیا ہے اور انہیں اندازہ ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کا وارفتہ نفس یہودی کی واردات کا معائنہ فرمانا کس قدر معنی خیز تھا۔ یہ ابن خلدون تھا جس نے عالم اسلام میں سب سے پہلے یہ سمجھا کہ حضور ﷺ کے اس طرز عمل کے معنی فی الحقیقت کیا ہیں"

یہ سمجھا جاتا ہے کہ بعد کے زمانے میں تصوف اسلام میں زبردست آلائش اور ملاوٹ ہوئی ہے بظاہر ایسا محسوس بھی ہوتا ہے کیونکہ کچھ مسلم صوفیاء کے اوراد وظائف اور اشغال ذکر اس طرح کے تھے جن کا تعلق قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہوتا مثلاً حبس دم کرنا الٹے لٹک کر عبادت کرنا دشوار قسم کے چلے اور آسن لگانا وغیرہ وغیرہ یہ یاد رہے کہ اس قسم کے وظائف کا اسلامی تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ان چلوں سے قرب باری تعالیٰ میں کوئی پیش رفت نہیں ہوتی البتہ کچھ دنیوی اور روحانی طاقتوں کا فائدہ ضرور پہنچتا ہے اور اسی باریک فرق کو لوگ سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اسی فرق کو اپنی تصنیف "چراغ راہ" میں واضح فرمایا ہے لہٰذا تصوف اسلامی میں کسی قسم کی آلائش نہیں ہوئی بلکہ یہ علم مقدس تو اس چمکتے ہوئے ہیرے کی مانند ہے جس پہ زمانے نے مختلف طریقوں سے عجمی تصورات کی گرد ڈال دی ہے ہیرے کی چمک دمک ویسے ہی برقرار ہے مگر اس پہ جو گرد جم چکی ہے وہ مسلم اولیا

اور اہل اللہ کا کام ہے کہ اس گرد کو علمی تحقیق اور روحانی انداز سے صاف کریں اور یہ کام ہمارے مرشد و بانی سلسلہ نے بخوبی سرانجام دیا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ تصوف کو حقیقت کے تناظر میں دیکھا جائے کیونکہ حقیقت سے انکار حقیقت کو مٹنے کے مترادف نہیں یہ درست ہے کہ تصوف اسلام واقعی درست رنگ میں پیش نہیں کیا جا رہا مگر تصوف ہی نہیں اس وقت تو اسلام کے تمام علوم و حقائق درست انداز میں پیش نہیں کئے جا رہے صرف رسومات و فروعات کو اسلام سمجھا جا رہا ہے علامہ اقبال اسی حالت سے پریشان تھے

شریعت طریقت ، تصوف کلام
بتان عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

اس مضمون میں مخالفین اسلام کے ان تمام خاص خاص اعتراضات کے جوابات بیان کئے گئے ہیں مخالفین اسلام کے مذہبی تعصب اور مستشرقین کی غیر اصولی تنقید پر خود غیر مسلم سکالر آربری نے تنقید کی ہے فرماتے ہیں "انصاف کی بات کرنا علم و ادب کا بہترین اصول ہے لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک بھی غیر مسلم سکالر نے اس پر عمل نہیں کیا اور ہر شخص نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام میں جو بھی اچھائی اور خوبی ہے وہ دوسرے مذاہب سے حاصل کی گئی ہے یہ دیانتدارانہ ثقافت نہیں بلکہ بدترین قسم کا مذہبی تعصب ہے ہر چیز کی اچھائی ثابت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے منطق کی کسوٹی پر پرکھا جائے"

مضمون طویل ہونے کے باعث اس سوال کا جواب نہیں دیا جا سکا جو مضمون کے شروع میں لکھا گیا تھا یعنی مشہور غیر مسلم صوفیاء نے روحانی فیض اور تربیت کہاں سے حاصل کی ؟

انشاء اللہ اس کا جواب آئندہ شمارہ میں تفصیلا" بیان کیا جائے گا۔

سلام و پیام

☆ ماہ نومبر میں شیخ سلسلہ قبلہ جناب محمد صدیق ڈار صاحب مختلف شہروں کے حلقوں کا دورہ فرمائیں گے۔ 15 نومبر کو حلقہ گکھڑ تشریف لائیں گے۔

☆ ماہ اکتوبر میں آپ نے راولپنڈی، اسلام آباد، واہ کینٹ اور سرگودھا کے حلقوں کا دورہ فرمایا تھا۔

☆ الحمدللہ 5 اکتوبر 97ء کو مرکز تعمیر ملت پر قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب تشریف لائے اور پچاس ساٹھ برادران نے محفل وعظ و نصیحت میں شرکت کی۔

برادران سلسلہ خصوصی طور پر نوٹ فرمالیں کہ اب ہر ماہ کے پہلے اتوار کو قبلہ حضور مرکز تعمیر ملت تشریف لایا کریں گے۔ اس طرح دسمبر 97ء کی سات تاریخ کو پہلی اتوار بنتی ہے قبلہ حضور سے ملاقات کا وقت صبح 10 سے شام 4 بجے تک ہے۔

☆ گوجرانوالہ کے بھائی شیخ محمد اکرم صاحب کاروباری دورہ کے سلسلہ میں یورپ گئے ہوئے ہیں انشاء اللہ 17 نومبر کو واپسی کی توقع ہے۔

☆ جو برادران شمارہ کے لئے مستقل مضامین تحریر کر رہے ہیں۔ ان سے گذارش ہے کہ وہ ایک یا دو مضامین پیشگی روانہ کردیں تاکہ شمارہ کا اجراء بروقت ہوتا رہے

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا

صداقت

اللہ

محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ متلاشیان حق غلط راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر باعث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں

☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے

☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح

☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے

☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔

☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے

☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق

☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں

☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہہ

☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت از بام کر دی گئی۔ ہے اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔